حالاتِ سعدی

یعنی

شیخ مصلح الدّین سعدی شیرازی رحمۃ اللہ

کی زندگی اور تصانیف کے حال

از منشی احمد حسین خان صاحب بی - اے

کارخانہ پیسہ اخبار لاہور کے لئے لکھے گئے

دوسری مرتبہ ۱۹۰۲ء میں

کارخانہ پیسہ اخبار کی مطبع خادم التعلیم پنجاب لاہور میں منشی عبد العزیز کے اہتمام سے چھپے

قیمت عہ —

حالات سعدی

انٹروڈکشن

اے ترجمان اسرار۔ اے بُلبُل شیراز۔ اے پیغمبر سخن رتبخ۔ ہر چند کہ میں نے اپنی بساط کے موافق ہاتھ پانوں مارے ہیں اور ان اوراق پریشان میں تیری قابلیتوں۔ تیری مساعی جمیلہ تیرے کمالات باطنی اور حالات ظاہری۔ تیرے کارناموں اور علمی ترقیات کی تصویر اُتارنے کی کوشش کی ہے مگر مجھے اپنے کام پر ذرا بھی بھروسہ یا ناز نہیں ہے۔ جو کچھ میں نے تیری شان میں لکھا ہے تو اُس سے کہیں سوا ہے۔ تیرے اخلاق حمیدہ اور اطوار پسندیدہ کی تعریف مجھ جیسے ہیچمدان کے لئے چھوٹا مُنہ بڑی بات تھی۔ پس میں صدق دل کے ساتھ تیری رُوح سے اپنی ناکامی اور درماندگی کی معافی چاہتا ہوں +

میں نے جو لکھا ہے وہ صرف اس لئے لکھا ہے کہ مجھے تیرے کلام سے ایک خاص عقیدت ہے اور مجھے اُمید ہے کہ تیرا روشن نام میری کشت تصنیف پر آفتاب عالمتاب کا کام دیگا۔ عُموماً سوانح عمری یا تذکرہ یا بیوگرفی۔ نیک بندوں کی لازوال یادگار غافلوں کے لئے خواب خرگوش سے بیداری کا آلہ۔ غیرتمندوں کی رگ حمیت حرکت میں لانیکا ذریعہ ترقی اور برتری کی کل۔ اخلاق درست کرنے کا نسخہ تصوّر کیجاتی ہے اور اسی غرض سے لکھی جاتی ہے۔ آپ کی تصنیف اور حالات جو زمانہ میں آفتاب نصف النہار کی طرح مشہور ہیں۔ میری طرف سے کسی شہرت کی محتاج نہیں۔ کیونکہ آپ کا نام جو شُہرت مجسم ہے بیوگرفی کے ذریعہ یادگار کا محتاج نہیں بلکہ بیوگرفی کے لئے اس بات کا فخر ہوگا کہ اُس میں آپ کا نام بھی موجود ہے۔ آپ کی تصنیف اگر نظر انصاف سے دیکھا

جاوے تو سرتاپا اخلاق سے بھری ہوئی ہیں جسنے خاطر خواہ عبرت اور بصیرت حاصل ہوسکتی ہے + پس میں نے یہ کتاب اُسے بیوگرفی کہا جاوے تو اس غرض سے نہیں لکھی جو عموماً بیوگرافرز کو مقصود ہوتی ہے۔ بلکہ صرف اس مطلب سے کہ اگرچہ میں خاکسار ہوں آپ کے نام کا جو پارس ہے نام لیوا ہو کر سونا ہو جاؤں +

اے منتخب روزگار شیخ! میرا دل یہی چاہتا کہ تجھے اخلاق کا اُتار کہوں۔ تو وہ بااقبال گدا تھا کہ بڑے بڑے شاہنشاہ تیری حاشیہ نشینی کو مسند سلطنت سے بدرجہا بہتر سمجھتے تھے۔ اگرچہ تو کنج مرقد میں آرام سے سو رہا ہے مگر در اصل زندہ ہے۔ اگرچہ تجھ میں آواز نہیں۔ مگر رنگا رنگ کی بولیاں بول رہا ہے۔ تیری تصنیف ایک کاغذی یونیورسٹی ہے۔ جس کا ہر ایک لفظ بجائے خود ایک ریفارمر ہے جو حروف کے گوناگوں لباس میں تاقیام قیامت پند و موعظت میں مشغول ہے +

اے برگزیدہ معمار! تو نے شہرت عام اور بقائے دوام کا ایسا عالیشان محل تعمیر کیا ہے جس میں تو نے یثرب و بطحیٰ کا پتھر استعمال کیا ہے۔ جس میں تو نے کوثر و آبحیات کا پانی برتا ہے۔ اور جس میں تو نے وہ پاک مٹی استعمال کی ہے جس سے معمار قدرت نے حق شناسی کی بصیرت پیدا کی +

اے بے نظیر مصور! جس خوش اسلوبی کے ساتھ تو نے اخلاق کی تصویر کھینچی ہے اُسپر قربان ہونے کو جی چاہتا ہے۔ کیا تو نے پر جبرئیل سے قلم بنایا تھا۔ اور اُس میں بال ہما لگائے تھے کہ اُس میں کوئی سقم یا فرو گذاشت موخرین کو نظر نہیں آتی +

اے پیغمبر سخن شیخ! تو شعر و سخن نظم و نثر کے ساتھ مناسبت ازلی اور سرمدی لیکر آیا تھا تو نے ہی لفظوں کی عمدہ تراشیں۔ پسندیدہ استعارے اور مناسب تشبیہیں ایجاد کیں۔ آجتک تمام شعرا اور نثار تیری ہی لکیر کے فقیر چلے آتے ہیں۔ فصاحت و بلاغت تیری لونڈیاں تھیں اور ذخیرہ مضامین تیرا خانہ زاد غلام تھا +

اے باغبان گلستان و بوستان تیرے باغ رشک گلشن جنان ہیں جن کے ہر پھول پتی کے ہزاروں بہشت غلام ہیں۔ اور اہل معنی کی جان قیامت تک اُسکی

حیات بخش خوشبو سے زندہ ہے +

اے نیک بختی کے راہ نما! تونے جو کچھ لکھا ابنائے جنس کی بہبودی اور بھلائی کے لئے لکھا۔ تونے جو قدم دہرا راہ خدا میں دہرا۔ تونے حق کے نام پر جان و مال سے دریغ نہ کی تونے ذاتی طمع کو یکقلم دل سے نکال دیا

پھر کیونکر نہ تجھے اخلاق کا اوتار انسان صورت

فرشتہ

سیرت - مجمع محاسن

و کمالات کہوں - ذرا اپنا مبارک قدم

آگے بڑھا تا کہ میں بوسہ دے کر دل کو ٹھنڈا کروں اور

اپنا دست شفقت میرے سر پر پھیرا اور خدا سے دعا کر کہ میرے ان

اوراق پریشان کو قبولیت کا اعزاز حاصل ہو +

لاہور

۲۲ - ستمبر ۱۸۹۵ء

} احمد حسین خان

پہلا باب

سعدی کی پیدائش اور بچپن
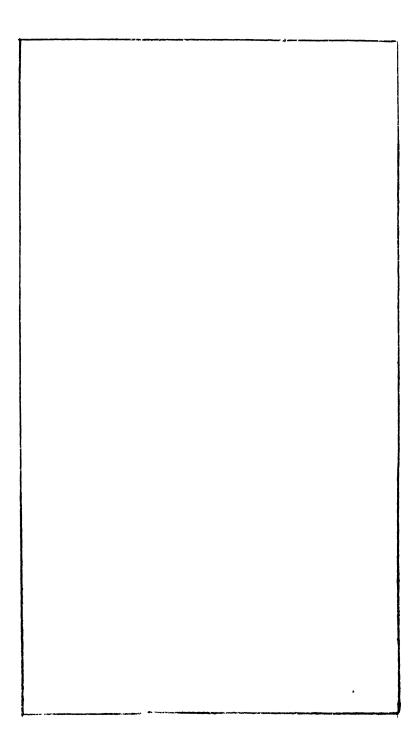
ایران کی قدیم دار الخلافت شیراز میں جسے دار العلم کے لقب سے ملقب کرتے تھے
جہاں علم و فضل کی کسی زمانہ میں وہ روشنی تھی جو بہت کم ملکوں کو نصیب ہوئی
جس کے بانی کی کلاہ عزت میں مسلمانوں میں سب سے اوّل ہندوستان پر لشکر
کشی کا طرّہ مزین ہوا۔ جسکی نسبت لسان الغیب نے فرمایا ہے ؎

بدہ ساقی مے باقی کہ در جنت نخواہی یافت
کنار آب رکنا آباد و گلگشت مصلے را

جسکی عمارت کی شان میں اُس عالیہ دماغ نے جو بقول ملا رونقی ہمدانی بکاوش
مژہ از ہند تا نجف آمد۔ مفصلہ ذیل شعر کہا ہے ؎

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ
آثار پدید است صنادید عجم را

یہ پیغمبر سخن۔ امام تصوّف۔ نئی طرز کا موجد۔ جذبات کا دریا۔ خیالات کا

سرچشمہ۔ میدان نظم کا غازی۔ عرصئہ نثر کا شہسوار۔ بلاغت اور فصاحت کے اکھاڑہ کا پہلوان۔ مجلس برنا و پیر کا صدر انجمن۔ محفل نشاط کا ساقی۔ بزم طفلاں کا کھلونا۔ مدرسہ نظامیہ کا فخر۔ ابوبکر بن سعد زنگی کی سلطنت کا یادگار ۵۷۱ھ میں عالم ارواح سے کشور اجسام میں آیا۔ اس کا نام شرف الدین اور لقب مصلح الدین اور تخلص سعدی ہے +

ڈی جانسٹن ایلسبری لکھتے ہیں کہ شیخ ۵۷۱ھ ہجری میں قصبہ طاؤس میں پیدا ہوا۔ جو کسی زمانہ میں شیراز سے چار فرسنگ کے فاصلہ پر جانب شرق واقع تھا مگر مختلف حملہ آوروں کی زبردستیوں سے نیست و نابود ہو گیا +

مشہور اساتذہ کا یہ قاعدہ تھا کہ جو تخلص اختیار کرتے تھے وہ کسی نہ کسی خاص وجہ سے کرتے تھے۔ چنانچہ مصنف شاہنامہ کا والد باغبان تھا۔ اس رعایت سے اُس نے اپنا تخلص فردوسی رکھا۔ عرفی شیرازی کا باپ عہدہ عرف پر ممتاز تھا۔ اس لئے اُس کا تخلص عرفی ہوا اور اسیطرح شیخ علیہ الرحمتہ نے ابوبکر بن سعد زنگی کو خوش کرنے کے لئے اپنا تخلص سعدی قرار دیا +

روائت ہے کہ جب شیخ علیہ الرحمتہ پیدا ہوئے تو حضرت خواجہ خضرؑ ان کے والد عبداللہ شیرازی کی خواب میں آئے اور تاکید اکید کی کہ اس نومولود کی تعلیم و تربیت میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کرنا۔ کیونکہ یہ باغ سخن میں ایسے ایسے گل کھلائیگا۔ جن کی خوشبو شہرت عام بن کر تمام جہان کے دماغ کو معطر بنائیگی جسکو بقائے دوام ہمیشہ طراوت بخشتی رہیگی اور جن کی سرسبزی اور شادابی تک ہرگز پژمردگی کا ہاتھ نہ پہنچیگا +

خواہ خضر علیہ السلام عالم رویا میں تشریف لائے ہوں یا نہ لائے ہوں ہمیں اس سے کچھ غرض نہیں مگر اسمیں کسیکو کلام نہیں کہ اس صاحب کمال اور قادر الکلام کا کلام شیرۂ شیراز بن کر آب زمزم کی طرح دُور دُور ملکوں میں گیا اور جہاں کہیں گیا تبرکاً اور تیمناً لوگوں نے اُسے آنکھوں میں جگہ دی۔

ترجمان اسرار کا سکہ اسی شہنشاہ کشور شہرت کے نام سے موزوں ہوا۔ جیسکے طغرائے شاہی میں یہ شعر نقش ہوا ؎

بسے دور بائد کہ چرخ ظفر
بیارد کسے چو تو بار دگر

بعض پرانے زمانہ کے لوگ یہ روایت بھی بیان کرتے ہیں کہ جس وقت شیخ علیہ الرحمتہ پیدا ہوئے۔ خواجہ خضر علیہ السلام تشریف لائے اور اپنا لعاب دہن اُن کے مُنہ میں ٹپکا گئے۔ یہ رال نہ تھی ایک برقی طاقت تھی۔ جس سے چودہ طبق روشن ہو گئے ٭

مولٰنا جامی سے روائیت ہے کہ امیر خسرو بھی ایک دن دریا کے کنارہ جناب خضر علیہ السلام کی ملاقات سے مستفید ہوئے اور درخواست کی کہ حضور اپنا لعاب دہن میرے مُنہ میں ٹپکا دیں۔ اس کے جواب میں حضرت خضرؑ نے فرمایا کہ "حلوا خوردن را روئے بائد" یہ دولت سعدی کے نصیب تھی ٭

اس قسم کی روایات ایشیا میں عموماً بڑے بڑے آدمیوں کی نسبت زبان زدِ خلایق چلی آتی ہیں۔ مثلاً خواجہ حافظ شیرازی کی نسبت روایت ہے کہ جب خواجہ موصوف شاخِ نبات طوائف پر حد سے زیادہ مفتون ہوئے تو اُس کے پاس التجا کی گئی اُس نے کہا کہ تم ایک مہینہ تک برابر میرے باورچیخانہ میں لکڑیاں لا دیا کرو۔ اس عرصہ کے بعد تمہاری عرض قبول ہو گی۔ چنانچہ خواجہ حافظ ہر روز جنگل میں لکڑیاں لینے جایا کرتے اور شام کو ایک بڑا سا گٹھا شاخ نبات کے باورچیخانہ میں پہنچا آیا کرتے۔ اور پھر مسجد میں بلاناغہ جا کر چراغ جلایا کرتے۔ ایک دن حسب معمول مسجد میں چراغ جلانے گئے تو دیکھا کہ چند شخص بیٹھے ہوئے ایک گھڑے سے شراب انڈیل کر پی رہے ہیں۔ خواجہ حافظ دیکھ کر بہت ناراض ہوئے اور کہنے لگے کہ "یہیں خانہ خدا اور ایسی قبیح حرکت"؟ اُن شرابیوں نے ایک جام بھر کر حافظ کے بھی نذر کیا۔ اُنھوں نے جام کو ایک لات ماری۔ جس سے تمام شراب گر

گئی اور پیالہ چور چور ہو گیا۔ لات کے لگتے ہی وہ شخص غائب ہو گئے۔ یہ تماشا دیکھ کر حافظ کی آنکھیں کھلیں اور جو شراب زمین پر گر پڑی تھی چاٹ لی۔ شراب چاٹتے ہی اسرار شاعری و حقیقت آلہی کے دروازہ اُن پر کھلگئے +

اس قسم کی روایات شیخ علیہ الرحمتہ کی نسبت بھی مشہور ہیں۔ چاہے ان پر کوئی اعتبار کرے یا نہ کرے +

شیخ کے خاندان کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ بعض محققوں کا قول ہے کہ سعدی کا خاندان یمنی تھا یعنے اسکے بزرگ یمن سے شہزادہ فیروز اختر کیساتھ جب وہ عارضی طور پر ناظم اصفہان ہوکر آیا تھا۔ آکر شیراز میں آباد ہو گئے +

جلال الدین بغدادی نے اپنی کتاب حالات سعدیہ میں لکھا ہے کہ شیخ کا خاندان دراصل مکّی تھا یعنے شیخ نے خود اُن سے فرمایا کہ میں مکّی عرب ہوں اور میرے حسب و نسب کا سلسلہ نبیؐ کی صاحبزادی بی بی فاطمہ رضؓ سے تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا خاندان فاطمائی تھا۔ چنانچہ بقول مُصنّف حالات سعدیہ شیخ کے بزرگ فاتحان عرب کے ساتھ اس مُلک میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ اور پھر ایران کی آب وہوا اُن کو ایسی بھائی کہ یہیں ڈنڈا ڈیرا ڈال دیا۔ غرض شیخ کی نجابت و شرافت خاندان ہر طرح سے ظاہر ہے +

شیخ عبد اللہ شیرازی ولد شرف الدین ایک مولوی آدمی تھا جسکی پرہیزگاری اور تقویٰ شعاری بہت مشہور ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ واقعی ایسا ہی تھا۔ کیونکہ اُس نے بچپن ہی میں نماز روزہ کے مسائل شیخ مرحوم کے دل میں نقش کر دئیے اور چھوٹی ہی سی عمر میں اُسکو عابد اور شب بیدار بنا دیا۔ جسطرح عرب کے عبد اللہ کے اُمّی پسر کے دل کو روحانی طاقتوں یعنے فرشتوں نے نور کے پانی سے دھو کر صاف کیا تھا۔ اسی طرح شیراز کے عبد اللہ نے اپنے نورعین کی طبیعت کو جو کچا سونا تھی۔ تادیب و تربیت کی کٹھالی میں ڈھال کر جملہ کدورتوں سے پاک وصاف کر دیا۔ اکثر نوجوانوں کو صحبت بد ہی بگاڑ دیتی ہے

جیسا کہ شیخ مرحوم نے فرمایا ہے ؎

با بداں کم نشیں کہ صحبت بد
گرچہ پاکی ترا پلید کند

اسکا انسداد شیخ عبداللہ نے یہ کیا کہ وہ سعدی کو کبھی اپنے پاس سے جُدا نہ کرتا تھا اور ہمیشہ اسکے اقوال اور افعال کا نگران رہتا تھا +

شیخ عبداللہ کی تنگ مزاجی مشہور تھی اور شیخ علیہ الرحمتہ کا تو اُس سے خون خشک ہوتا تھا - کیونکہ وہ ذرا سی بات پر بھی زجر و توبیخ سے نہ چوکتا - چنانچہ شیخ کی ابتدائی تربیت کے فخر کا تو لکھا ہار شیخ عبداللہ شیرازی کے ہی گلے سے سجتا ہے اور سعدی نے بوستان میں خود اس امر کو ان ابیات میں تسلیم کیا ہے ؎

ندانی کہ سعدی مکاں از چہ یافت | نہ ہاموں نوشت و نہ دریا شگافت
بخردی بخورد از بزرگاں قفا | خدادادش اندر بزرگی صفا

شیخ عبداللہ کی تلخ مزاجی اور اُسکی شیخ کو بیموقع بولنے پر زجر و توبیخ کرنے کی تائید گلستان کی ایک حکایت سے بھی ہوتی ہے - کہ ایک دن شیخ سعدی اپنے والد کے ساتھ ایک خانقاہ میں بیٹھے ہوئے عبادت کر رہے تھے - جب آدھی رات ہوئی تو سوائے شیخ عبداللہ اور سعدی کے سب سو گئے اور کوئی بھی نیند پر غالب نہ آسکا - یہ حال دیکھ کر سعدی نے اپنے والد سے کہا کہ کس قماش کے یہ سب خر ناشخص ہیں کہ میٹھی نیند میں پڑے ہیں - گویا نیند کو عبادت خدا سے بہتر سمجھتے ہیں - کاش خدا ان کو ہمارے جیسی ہدایت دیتا - یہ سُن کر عبداللہ سخت ناراض ہوا اور کہنے لگا کہ تو اپنی عبادت پر نازاں ہے اور اپنے آپ کو اُن سے بہتر سمجھتا ہے - پس معلوم ہوا کہ تو دکھاوے کی عبادت کرتا ہے - بہتر ہے کہ تو بھی سو جا اور اپنی عبادت پر نہ اترا - شیخ نے اُسیوقت اپنے قصور کا اعتراف کیا اور آئندہ کے لئے توبہ کی - چنانچہ اس موقع پر سعدی نے لکھا ہے ؎

نہ بیند مدعی جز خویشتن را + کہ دارد پردۂ پندار در پیش

گرت چشم خدا بینی بہ بخشند نہ بینی ہیچکس عاجز تر از خویش
مگر شیخ علیہ الرحمتہ کا والد اسکو کم سن چھوڑ کر مر گیا۔ اور ایسے لائق و فائق باپ کا سایہ جلد اس کے سر سے اُٹھ گیا ✦

شیخ عبد اللہ شیرازی کے مرنے کے بعد اس کے ماموں علامہ قطب الدین شیرازی نے جو محقق طوسی کا شاگرد رشید اور ہولا خاں کا مصاحب خاص تھا۔ اُس دُر یتیم کی پرورش کا بیڑا اُٹھایا۔ مگر بعض تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ نہیں ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ والد کی وفات کے بعد اُسکی تربیت اور پرورش صرف اُسکی بیوہ ماں نے کی ✦

اگرچہ شیخ عبد اللہ شیرازی شیخ کے جوان ہونے سے پہلے ہی مرض قلب سے راہی مُلک بقا ہوا شیخ کی والدہ ماجدہ مسماۃ فاطمہ ایک رئیس ایران کی بیٹی تھی جو بڑی نیکبخت لائق عورت تھی۔ اپنے خاوند سے کچھ عرصہ بعد فوت ہوئی اور شیخ ہمیشہ اُسکی قدر و منزلت کیا کرتا تھا۔ اور ہمیشہ پیار سے کہا کرتا تھا کہ "اماں جان میں وہی ہوں جو تمہاری آغوش میں بیچاروں کی طرح پڑا رہا کرتا تھا اور تم مجھے تھپک کر سُلایا کرتی تھیں" ✦ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ جوش جوانی میں شیخ نے اپنی والدہ ماجدہ کیخدمت میں کچھ گُستاخی کی۔ اسکی والدہ رو کر کہنے لگی۔ معلوم ہوتا ہے تجھکو بچپن کا زمانہ یاد نہیں رہا کہ مجھ بیوہ پر سختی کرتا ہے۔ یہ سُنکر شیخ کے شیشہ دل پر ٹھیس لگی اور پاؤں پر گر کر قصور معاف کرایا ✦

اسکی والدہ درویش مزاج۔ پابند زہد و عبادت اور صلاح و تقوی تھی اور شیخ سے نہایت سختی سے فرائض مذہبی کی تکمیل کراتی تھی۔ غرض والدین کی نیک تربیت نے صلاح اور تقوائے کی جاگ ایسی لگائی تھی کہ اُسکی کوک کسی مخالف انقلاب سے زائل نہوئی اور اوس کے عادات و اطوار میں اخیر تک سر مو فرق نہ آیا اس میں کچھ کلام نہیں کہ شیخ علیہ الرحمتہ قدرتاً شریف اور نیک فطرت تھا مگر پھر بھی نیک والدین کی نیک تربیت نے اُس کو بد صحبت کے اثر سے بچایا

وہ ایک میٹھا خربزہ تھا۔ جس پر اُس کے والدین کی تربیت نے قند و نبات کا کام کیا +

شیخ عبداللہ شیرازی کی نسبت چند تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ وہ شاہی ملازم تھا۔ مگر جہانتک ہم نے چھان بین کی ہے ہمکو یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ ہرگز نوکری کرنا نہ چاہتا تھا۔ وہ ایک تارک الدنیا شخص تھا اور اسکو سلطنت کے عہدوں اور سرکاری ملازمت سے کچھ سروکار نہ تھا۔ اس طرح اسبات کی تائید ہوتی ہے کہ منظفر الدین تکلہ بن زنگی نے جو شیخ عبداللہ کا بڑا معتقد تھا۔ ہرچند چاہا کہ شیخ عبداللہ کو مشیر سلطنت کردے اور وزیری کا خلعت دے۔ مگر اُس نے منظور نہ کیا +

شاہد مصری لکھتا ہے کہ عبداللہ نے پہلے بیعت مصلح الدین کے ہاتھ پر کی تھی۔ یہ شخص اُس زمانہ میں دینی اور دنیوی علوم میں علماء وقت کا سرتاج سمجھا جاتا تھا۔ اور حاجی۔ حافظ۔ صوفی۔ شیخ زمان اور مفتی اوّل درجہ کا تھا۔ چنانچہ ابھی شیخ علیہ الرحمتہ کی سات برس کی ہی عمر تھی کہ عبداللہ اُن کو مصلح الدین کے پاس لے گئے۔ ان کو اس بچہ کی پیاری پیاری باتیں بہت پسند آئیں اور اُسکو گودی میں لے کر کہا "اے عبداللہ! مبارک ہو کہ خدا نے روشندل اور خوبصورت بچہ تجھے دیا اور اس کا ظاہر جیسا خوبصورت ہے۔ ویسا ہی اُس کا باطن بھی جمیل اور حسین ہے" اس کے بعد مصلح الدین نے دونوں ہاتھ اُٹھاکر سعدی کو دعا دی اور کہا کہ اس بچہ کو ہر روز میرے پاس لایا کرو۔ اس کے جواب میں عبداللہ نے عرض کی کہ یہ آپ کا غلام ہے۔ اسے غلامی میں قبول فرمائیے مصلح الدین شیخ علیہ الرحمتہ کے حال پر باپ سے بھی زیادہ شفقت کیا کرتا تھا شیخ نے قرآن شریف انہیں سے پڑھ کر حفظ کیا اور انہیں کے نام سے اپنا لقب مصلح الدین کہا۔ کہتے ہیں کہ گیارہ برس کی عمر میں شیخ نے قرآن شریف حفظ کرکے فراغت حاصل کی۔ اس بات سے ظاہر ہے کہ وہ کس بلا کا ذہین اور تیز طبع

بچہ تھا +

ٹی جانسٹن ایلسبرے صاحب لکھتے ہیں کہ شیخ کا بچپن ہومر شاعر کے بچپن سے مشابہ تھا۔ اور قدرت نے ان دونو ناموروں کی سرشت میں کچھ ایسی مناسبت رکھ دی ہے کہ ان کا طرز کلام اور مذاق سخن بھی ایک دوسرے سے ملتا جلتا ہے +

جلال الدین بغدادی نے شیخ کے بچپن کی نسبت لکھا ہے کہ اُس کے عادات بچپن ہی سے محتاط اور درست تھیں۔ وہ عام بچوں کیطرح کبھی ضد یا خفیف حرکات نہ کرتا تھا جو اُس کے والدین یا کسی بزرگ کی تکلیف دہی کا باعث ہوں چنانچہ اُسکی تمام باتیں خوش آئند معلوم ہوتی تھیں اور لوگ اسکو محبت کی نظروں سے دیکھتے تھے +

شیخ بچپن ہی سے حاضر جواب تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے اُسکو اپنے باپ کے ساتھ سعد زنگی کے دربار میں جانے کا اتفاق ہوا۔ سعد نے اس ہونہار بچہ سے دریافت کیا کہ میاں بتاؤ تمہاری عمر کیا ہے۔ سعدی نے نہایت متانت کے ساتھ جواب دیا کہ حضور کی پُر شوکت سلطنت اور سر سبز راج سے پورے بارہ برس چھوٹا ہوں۔ سعد زنگی نے اس حاضر جوابی کو نہایت پسند کیا اور عبداللہ سے کہا کہ تم اس ہونہار کی تعلیم و تربیت اچھی طرح سے کرنا یہ ایک نہ ایک دن شہرۂ آفاق ہوگا +

غرض جب شیخ علیہ الرحمۃ نے ہوش سنبھالا تو اُسکو تحصیل دنیاوی کا شوق دامنگیر ہوا۔ اُس زمانہ میں اہل علم کی بڑی قدر تھی اور غالباً ان علما مشائخ و فضلا اور بلغا کی تقلید کے شوق نے اُسکی تیزئے طبع اور ذہانت کے شعلہ پر جو قدرت نے اسکی سرشت میں روشن کیا تھا۔ تیل کا کام کیا۔ اُس نے شیراز اور قرب وجوار کے علما کی صحبت میں نشست و برخاست شروع کردی۔ کہتے ہیں کہ اسکی قوت حافظہ اور یادداشت

ایسی زبردست تھی کہ جس چیز کو ایک دفعہ دیکھ لیتا یا سُن لیتا تھا وہ اُسکو کبھی
نہ بھولتا تھا۔ مثل مشہور ہے کہ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات - اسکی طبیعت
کی براقی اور جودت کے باعث شیراز کے علماء بھی ہمیشہ اسکو نظر الفت سے دیکھتے
تھے اور تحسین و آفرین کے انعام و اکرام سے اسکے حوصلہ کو جو باپ کے بیوقت مر
جانے سے پست ہوگیا تھا بڑہاتے رہتے تھے - پہلے پہل شیخ نے ارادہ کیا کہ
مدرسہ عقدیہ میں جو کہ عقد الدولہ دیلمی نے قایم کیا تھا اپنی تعلیم کو درجہ تکمیل پر
پہنچائے - لیکن قسمت کو یہ منظور نہ تھا - کیونکہ سعد زنگی اُس زمانہ میں عراق
کے حدود پر لشکر کشی کر رہا تھا - غیاث الدین بلبن نے میدان خالی پاکر شیراز
کا وہ حال کیا جو ۱۳۹۸ء میں تیمور گورکانی نے دہلی کا کیا تھا - شیراز کی تباہی اور
بربادی اہل شہر کا قتل اور غارت ہو - دیکھ کر شیخ کا جی ڈر گیا اور اُس نے
عزم بالجزم کر لیا کہ چاہے کچھ ہی ہو ترک وطن کرنا بہتر ہے اور واقعی شیخ نے
بہت اچھا کیا - کیونکہ مفسدین شیراز کو اکثر تاخت و تاراج کرتے
رہتے تھے اور ایسی حالت میں تحصیل علوم کی فرصت شیخ کو وطن میں
ملنی دشوار تھی +

یہی عقدیہ کالج جسمیں کسی زمانہ میں دو ہزار طالب علموں کی بھیڑ بھاڑ
تھی - جہاں ہیئت - ریاضی منطق فلسفہ کی قابل تعریف تعلیم ہوتی تھی ان
دنوں بدقسمتی سے متعصب لوگوں کا زیر مشق ستم تھا - جنہوں نے رفتہ رفتہ
ان روشن علوم کی تعلیم کو یکلخت موقوف کر دیا اور پروفیسروں کو یا تو زہر
دے کر مار ڈالا یا علانیہ کفر کا فتوے شایع کر کے قید اور قتل کر دیا - کالج کے
کمروں میں جہاں کسی زمانہ میں علوم کی روح پرور ہوا چلتی تھی کج بحثیوں لغو
اور خرافات باتوں کی آندہی چلنے لگی +

کہتے ہیں کہ جس وقت شیخ پہلے پہل اس مدرسہ میں گیا - اُس وقت پروفیسر
صاحب بہشت کے مسئلہ پر بحث کر رہے تھے - اثناء وعظ میں مولسنا نے

حور و قصور کے مضمون کو ایسی فحش عبارت میں بیان کیا کہ شیخ کی طبیعت اچاٹ ہوگئی اور وہ وہاں سے چلا آیا +

غرض ان بیرحم اور متعصب لوگوں نے اس مدرسہ کی جنکو اُنہوں نے بعد ازاں بیت الحرم بنا لیا تھا۔ اینٹ سے اینٹ بجادی اور بہت جلد چاروں طرف اُلو بول گیا + شیراز میں شیخ کا اُستاد سید علی قاری تھا۔ اس شخص کی زبان میں لکنت اور لیاقت علمی بھی واجبی ہی تھی۔ مگر خود پسندی کی یہ کیفیت تھی کہ اپنے روبرو فرشتہ کی بھی حقیقت نہ سمجھتا تھا۔ اسکی انانیت کا یہ عالم تھا کہ اپنے آپ کو عقل کل اور ہمہ داں جانتا تھا اور ہر شخص کو جاہل کہا کرتا تھا ایک دن شیخ نے دریافت کیا کہ قبلہ دنیا میں کوئی عالم بھی ہے۔ سید علی نے جواب دیا کہ ہاں۔ ایک مَیں اور ایک خضر علیہ السلام +

اگرچہ محبت وطن ایسی شئے ہے کہ انسان اُس سے کبھی خالی نہیں ہوتا چنانچہ مثل مشہور ہے کہ:- حُبِ وطن از ملک سلیمان خوشتر۔ لیکن شیخ کے دل میں تحصیل علوم کا شوق کچھ اس زور پر تھا کہ اُس نے تمام خیالات دل سے بھلا دیئے۔ سب تعلقات کو بالائے طاق رکھا اور بیک بینی و دو گوش یہ اشعار پڑھتے ہوئے بغداد کی راہ لی ؎

دلم از صحبت شیراز بکلی بگرفت :: وقت آنست کہ پرسی خبر از بغدادم
سعدیا حُب وطن گرچہ حدیثیست صحیح + نتواں مرد بہ سختی کہ من اینجا زادم

شیخ تو کچھ عرصہ پہلے ہی وطن سے رخصت ہوگیا ہوتا مگر صرف ممتا بھری ماں کی محبت اُسے کچھ نہ کرنے دیتی تھی۔ غرض جب والدہ کا انتقال ہوا پھر شیراز میں اُسکو ایک پل قرار نہ آیا اور فوراً بغداد کی راہ لی +

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ شیخ بیک بینی و دو گوش شیراز سے رخصت ہوا۔ اسکا سارا رخت فقط ایک کتابوں کا بستہ تھا۔ اسی بستہ میں وہ قرآن شریف بھی تھا جو اسکو مولنا مصلح الدین نے دیا تھا اور وصیت کی تھی کہ اسکو میری یادگار سمجھنا

اور کبھی اپنے پاس سے خدا نہ کرنا۔ یہ مصحف حمید چمڑے پر سنہری حرفوں سے لکھا ہوا تھا۔ جس قافلہ کے ساتھ شیخ قطع منازل کرنیکا ارادہ کرکے روانہ ہوا تھا۔ اس سے ایک ہی منزل پر علیحدہ ہوگیا۔ کیونکہ شیخ کو ایک سخت مرض نے آدبایا۔ جس سے وہ گیارہ دن تک بیہوش ایک گانوں میں پڑا رہا۔ شیخ کی بیمارداری گانوں کی ایک عورت کرتی تھی جسکے اٹکل پچو علاج سے اللہ نے اسکو شفا بخشی +

شیخ بچپن ہی سے عذب البیان اور شیریں زبان تھا جب یہ گانوں سے رخصت ہونے لگا تو گانوں والوں کو اسکی جدائی کا سخت قلق ہوا۔ انہوں نے شہد۔ پنیر۔ کباب اور روٹیاں شیخ کو دیں اور کہا کہ ان کو ساتھ لیجاؤ۔ سفر میں کام آئینگے۔ مگر شیخ نے کہا کہ مجھے معاف رکھو میرا بھروسہ توکل پر ہے۔ وہ رازق جو پتھر میں کیڑے کو رزق دیتا ہے مجھے کسی صورت میں بھوکا نہیں رکھیگا اس قدر بوجھ کے ساتھ مجھے چلنا دوبھر ہو جاوے گا۔ سچ ہے ؎

سینکڑوں کوس سے رزق اڑکے چلا آتا ہے
پر لگا دیتا ہے رزاق مرادانے کو

سعدی گانوں سے رخصت ہوکر تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ سامنے سے ایک گروہ قزاقوں کا نمودار ہوا۔ جنھوں نے اسکو گھیر لیا اور کڑک کر بولے کہ جو رکھتا ہے حوالہ کردے۔ شیخ نے فوراً اپنی کتابوں کا بستہ ان کے سامنے رکھ دیا۔ اور کہا کہ میں طالب علم ہوں اور جو کچھ میرا مال متاع ہے وہ یہ بستہ ہے۔ اسمیں سے جو کتاب تمہارے پسند ہو لیلو اور اپنے بچوں کو پڑھاؤ۔ شیخ کی بھولی بھالی باتوں نے قزاقوں کو گرویدہ بنا لیا۔ انہوں نے بجائے رہزنی کے شیخ کا بستہ اٹھا لیا اور ایک خچر اسکی سواری کے لئے بھی لا دیا اور دو بدرقہ رہنمائی کے لئے اس کے ساتھ کر دئے +

یہ تینوں شخص خوشی خوشی چلے جارہے تھے کہ دفعتاً آسمان کے میدان پر عناصر سرگرم مصاف ہوئے۔ ہوا اس تیزی سے چلنے لگی کہ بڑے بڑے مضبوط

پیٹرینج و بن سے اُکھڑ گئے۔ ناچار تینوں کو ایک درخت کے تلے ایک غار میں ٹھیرنا پڑا۔ شیخ قرآن شریف پڑھنے بیٹھ گیا۔ یکایک اس کے دو رفیقوں میں سے ایک زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ اور تھوڑی دیر میں اُسکا جسم جگہ جگہ سے پھٹ گیا اور اُس میں سے نیلا نیلا پانی بہنے لگا۔ سعدی نے اس کو اس عذاب کے ساتھ مرتے دیکھ کر اپنے دوسرے رفیق سے دریافت کیا کہ یہ کون شخص ہے اُس نے جواب دیا کہ اصل میں یہ اصفہان کے قاضی القضات کا بیٹا ہے صحبت بد کی بدولت اس نے اپنے باپ کو قتل کیا اور پیشہ قزاقی اختیار کیا۔ یہ شخص بڑا سفاک ہے سینکڑوں اس کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ مگر اس شخص کی پیشانی پر بل تک نہیں آیا۔ سعدی نے کہا انسان کو مکافات عمل سے غافل نہیں رہنا چاہئے۔ یہ سُن کر سعدی کا دوسرا رفیق بھی ہنسا یا اور کہنے لگا کہ یار گناہ تو میرے ہاتھ سے بھی بہت ہوئے ہیں۔ دیکھئے انجام کیا ہوتا ہے اتفاقاً وہ ابھی یہ گفتگو ختم بھی نہ کرنے پایا تھا کہ ہوا کے تند اور تیز جھونکے سے جس ڈال کے تلے وہ شخص بیٹھا ہوا تھا ٹوٹ کر اُس کے اوپر گرا۔ گرتے ہی دونو ہنڈ۔ لیاں اُسکی ٹوٹ گئیں اس اثناء میں وہاں چند خونخوار بھیڑیئے آگئے اور معاً اسکو چیر پھاڑ ڈالا۔ سعدی یہ سانحہ دیکھ کر تھرا گیا اور اس سے اُسکو بڑی عبرت اور نصیحت حاصل ہوئی غرض جب طوفان کی تندی کم ہوئی تو وہ بغداد کی جانب روانہ ہوا +

دوسرا باب

شیخ کی علمی استعداد، طبعی عادات اور دیگر حالات

(شیخ علیہ الرحمتہ کی تصویر ملاحظہ ہو)

شیخ دراز قامت صحیح المزاج۔ قوی اور جفاکش آدمی تھا۔ اس کا سر جیسا کہ

عموماً اہل لیاقت کا دیکھا گیا ہے بہت بڑا تھا۔ اسکی پیشانی فراخ اور ہوشمندی کے نور سے روشن تھی۔ رنگ سُرخ و سپید تھا۔ آنکھیں بڑی بڑی تھیں ریش مبارک مشتبہ اور مونچھیں گھنی اور لمبی لمبی تھیں۔ اس کے چہرہ سے جلال اور تمکنت ظاہر ہوتی تھی اور بشرہ سے رعب وداب برستا تھا۔ شیخ کا سینہ بہت فراخ تھا۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ یہ عام لوگوں سے زیادہ قوی تھا۔ شیخ کا لباس عموماً قدیم ایرانیوں کا سا ہوتا تھا۔ سر پر کلاہ پیاخ یا بھاری عمامہ۔ گلے میں عربی یا ایرانی جُبّہ۔ اور پاؤں میں شرعی پاجامہ۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ وہ کبھی رومی کپڑے پہن لیتا تھا اور کبھی یونانی ڈریس۔ اس کا قول تھا کہ "درویش صفت باش وکلاہ تتری دار" +

شیخ چونکہ اکثر سیر وسیاحت میں زندگی بسر کرتے تھے۔ اس لئے ایک ہاتھ میں کشکول اور دوسرے ہاتھ میں تبر بھی رکھتے تھے +

شیخ ہمیشہ نئے نئے رنگ بدلتا رہتا تھا اور ہر رنگ میں چمکتا تھا۔ کبھی تو وہ فقرا اور مشایخ کے حلقوں میں معتکف دیکھا جاتا تھا۔ کبھی وہ بادشاہوں کے دربار میں دُرافشانی کرتا ہوا نظر آتا تھا۔ کبھی وہ احرار و ابرار کی صحبت سے مستفیض دکھائی دیتا تھا۔ اور کبھی رندوں اور بدمستوں میں باتیں کرتا سُنا جاتا تھا۔ شراب خانہ میں وہ بیدھڑک چلا جاتا تھا۔ بُت خانوں میں وہ بے کھٹکے داخل ہو جاتا۔ غرضیکہ یہ بزرگوار عجب معجون مرکب تھا۔ جامع بعلبک میں اُس نے وعظ سُنائے۔ سومنات میں برشاد اس نے اُڑائے۔ فلسطین کی بستیوں میں سقائی اس نے کی۔ بصرہ کے نخلستان میں کھجوریں اس نے چکھیں۔ غرضیکہ اس نے اپنی تمام عمر خصایل انسانی اور نیرنگی روزگار کے مطالعہ میں صرف کر دی اور واقعی جس خوبی اور خوش اسلوبی سے اخلاق بشری کی جو تصویر شیخ علیہ الرحمۃ نے کھینچی وہ آجتک ہر چند کہ زمانہ سینکڑوں برس آگے نکل آیا ہے اور اس عرصہ میں بے شمار ترقی ہوئی لیکن کسی نے نہیں کھینچی +

جب شیخ یکہ و تنہا بے یار و مددگار شیراز کو خیر باد کہہ کر بغداد میں پہنچا تو سب تعلقات کو چھوڑ کر اور سب یار آشناؤں سے مُنہ موڑ کر دن رات تحصیل علوم میں مشغول ہوگیا۔ بغداد کے مشہور مدرسہ نظامیہ کی اُس وقت دُور دُور شہرت تھی۔ گویا یہ اُس زمانہ کی کیمبرج اور آکسفورڈ کی یونیورسٹی تھی۔ یہ مدرسہ خواجہ نظام الملک طوسی نے ۴۵۹ھ میں بنوایا تھا اور اس مدرسہ کی شہرت کا یہ عالم تھا کہ جو شخص یہاں سے تحصیل علوم کرکے نکلتا تھا۔ وہ اُس زمانہ کا مُستند۔ مُعتبر۔ مسلم الثبوت اور سند یافتہ عالم سمجھا جاتا تھا۔ اس مدرسہ میں اہل شیراز کے ساتھ خاص رعایت کیجاتی تھی۔ وجہ اسکی یہ تھی کہ اس کا پہلا متولی ابو اسحٰق شیراز کا باشندہ تھا۔ یہ رعایت شیخ کے حق میں ازبس مفید ہوئی اور وہ اسی مدرسہ میں داخل ہوگیا۔ شیخ چونکہ قدرتاً ذہین تھا۔ ذہانت۔ شوق اور محنت کی بدولت مہینوں میں وہ کام کیا جو کوئی اور شخص برسوں میں بمشکل کر سکتا کہتے ہیں شیخ جس کو بچپن سے شب بیداری کی عادت تھی۔ دن رات میں بمشکل تین گھنٹہ سوتا تھا اور ہر وقت مطالع کتب میں مشغول رہتا تھا۔ پانی پینے میں یہ پڑھتا جاتا تھا۔ کھانا کھانے میں یہ پڑھتا تھا۔ لیٹے ہوئے یہ پڑھتا تھا راہ چلتے ہوئے یہ کتاب دیکھتا تھا۔ غرضیکہ جس وقت یہ پڑھتا تھا کوئی مطالعہ نہ کرتا تھا چنانچہ اس نے خود کہا ہے ؎

بپئے علم چوں شمع باید گداخت
کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

جب اُستادوں نے شیخ کی روز افزوں ترقی۔ محنت اور ذہانت دیکھی۔ تو وہ اسکی طرف خاص توجہ کرنے لگے۔ اور مدرسہ کے متولی نے اس کا وظیفہ بھی مقرر کر دیا۔ مدرسہ نظامیہ میں اس وقت حدیث اور تفسیر کا پروفیسر علامہ ابو الفرج عبد الرحمن ابن جوزی تھا۔ جسکی نسبت ایک عجیب حکایت مشہور ہے۔ کہتے ہیں کہ جب شخص مرنے لگا تو اوس نے اپنے لواحقوں اور شاگردوں کو

بلایا اور ایک کنجی ان کے حوالہ کی اور کہا کہ یہ فلاں مقفل حجرہ کی کلید ہے جب میرا مُرغ روح قفس عنصری سے پرواز کر جائے تو اس حجرہ کو کھولنا۔ اُسمیں ان قلموں کا تراشہ بھرا ہے۔ جن سے میں نے حدیث لکھی ہے۔ میرے غسل میت کے لئے اسی تراشہ کو جلا کر پانی گرم کرنا۔ چنانچہ اُسکی وصیت کی تعمیل ہوئی لیکن وہ تراشہ اس قدر تھا کہ پانی بھی گرم ہو گیا اور پھر بھی بچ رہا۔

یہ پروفیسر شیخ علیہ الرحمتہ کے حال پر نہایت مہربان تھا اور کہا کرتا تھا کہ سعدی تو ضرور مُلک شہرت کو تسخیر کرے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس صاحب کمال کی صحبت سے شیخ نے بہت فایدہ اُٹھایا۔ گلستان میں صحبت نیک کی تعریف میں ایک موقع پر شیخ نے لکھا ہے ؎

جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

شیخ کو وجد و سماع کی مجلسونمیں شریک ہونے کا بڑا اشوق تھا۔ اور سرود شیخ کیجان تھا۔ چاہے بارش ہو یا آندھی چلے۔ شیخ وجد و سماع میں شریک ہوئے بغیر نہ رہتا تھا۔ شیخ ابو الفرج بن جوزی رحمتہ اللہ علیہ جو اسکے مربی تھے اسکو منع کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ بھائی ایسی محفلوں سے احتراز لازم ہے۔ جوانی کے عالم میں انسان بہت جلد بگڑ جاتا ہے۔ تمہارے لئے یہ بہتر ہے کہ تم خلوت اور عزلت اختیار کرو۔ مگر شیخ کا ان دنوں عالم شباب تھا اور بقول شخصے کہ "نصیحت صیقل زنگار عشق است" جس قدر وہ منع کرتے تھے اتنا ہی اُس کا شوق زیادہ ہوتا تھا۔ کیونکہ طبیعت اس طرف رجوع تھی۔ ایکدن اس کے ایک دوست کے ہاں قوالی تھی۔ شیخ کے نام بھی رقعہ آیا۔ شیخ نہایت خوش خوش مدرسہ سے رخصت لیکر وہاں گیا۔ راہ میں جب شیخ ابو الفرج بن جوزی کی نصیحت یاد آئی تو یہ شعر پڑھ کر دل کو تسلی دی ؎

قاضی ار با ما نشیند بر فشاند دست را ✤ محتسب گر مے خورد معذور دارد مست را

اس مجلس میں جو قوال بُلایا گیا تھا وہ بلا کا کریہہ الصوت تھا۔ اُس کا ناموافق لحن رگ جان کو کاٹتا تھا اور جب وہ گلا پھاڑ کر تان لیتا تو بلا مبالغہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی شخص ماتم پدری میں مصروف گریہ و بکا ہے۔ شیخ نے صاحب خانہ کی منت کی کہ برائے خدا مجھے اس بلائے مبرم سے خلاصی دو۔ ورنہ صبح ہونے سے پہلے میں بہرہ ہو جاؤنگا۔ دوست نے جواب دیا کہ یہ خلاف تہذیب ہے۔ تم سب یاروں کو چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔ غرض شیخ نے خدا خدا کر کے وہ رات اُس مکروہ صحبت میں بسر کی۔ جب جلسہ ختم ہوا تو آپ نے سر سے عمامہ اُتارا اور جیب سے ایک دینار نکالا اور یہ دونو چیزیں قوال کے نذر کیں۔ احباب کو اس حرکت پر تعجب آیا شیخ نے کہا کہ میں نے آج اس بزرگوار قوال کی مہربانی سے ہمیشہ کے لئے سماع سے توبہ کی۔ اسلئے یہ ہدیہ احقر اس بڑی مہربانی کے عوض میں پیش کیا +

اگرچہ شیخ علیہ الرحمنہ نے علم تصوف شیخ شہاب الدین سُہروردی سے حاصل کیا اور ایک دفعہ سیر دریا میں اُن کے ہمراہ رہا۔ مگر مدرسہ کی صحبت سے تصوّف اور درویشی کے خیالات اس کے دل میں مدہم پڑ گئے تھے اور وہ بہت سا وقت حدیث و تفسیر وغیرہ میں صرف کیا کرتا تھا۔ چنانچہ اُس نے گلستان میں لکھا ہے کہ مدرسہ کو خانقاہ پر اسلئے ترجیح ہے کہ درویش صرف اپنی جان بچانے کے لئے کوشش کرتے ہیں اور علماء یہ چاہتے ہیں کہ اُن کی ہمت اور کوشش سے دوسروں کی بھی جان بچے۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ کسی نے اُس سے پوچھا کہ تصوّف کی حقیقت کیا ہے؟ شیخ نے جواب دیا کہ اس سے پہلے تو یہ ایک گروہ تھا جو ظاہراً "پریشان" تھے اور باطن میں "جمع" اور اب وہ ایک ایسا گروہ ہے جو ظاہر میں "جمع" اور باطن میں "پریشان" اور پھر یہ قطعہ پڑھا ؎

چو ہر ساعت از تو بجائے رود دل — بہ تنہائی اندر صفائی نہ بینی
ورت مال و جاہست و زرع و تجارت — چو دل با خدا ایست خلوت نشینی

واضح ہو کہ تصوف وہ علم ہے کہ اس میں ذات و صفات باریتعالیٰ کی بابت بحث کیجاتی ہے۔ تاکہ عمل صالح سے خدا کو حاصل کریں۔ اس کا موضوع ذات و صفات خداوند تعالیٰ ہے اور اس علم کی غایت یہ ہے کہ عمل صالح سے فضائل باطنی نصیحت ہو۔ پس شیخ سے سائل کے سوال کا یہ مطلب تھا کہ وہ کیا چیز ہے کہ جس سے تصوف تحقیق ہو سکتا ہے اس کا جواب شیخ نے یہ دیا کہ تصوف عمل صالح سے تحقیق ہو سکتا ہے جنسے انسان بظاہر پریشان معلوم ہوتا ہے۔ مگر باطن میں اُسے جمعیت حاصل ہوتی ہے۔ پھر ساتھ ہی شیخ نے یہ کہہ دیا کہ آجکل اُلٹا جال ہے یعنے لوگ نمازیں پڑھ کر اور روزہ رکھ کر دکھاوا کرتے ہیں اور ظاہر یہ دکھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اُن کی خاطر جمع ہے۔ مگر باطن میں پراگندہ خاطر ہوتے ہیں۔ ایسی باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ طالب علمی کے زمانہ میں تصوف کے خیالات سے اُسکا دل اُچاٹ ہو گیا اور اس طرف اسکی چنداں رغبت نہ تھی۔ مگر یہ خیالات شیخ شہاب الدین سُہروردی کی وفات کے بعد اسکے دل سے اُترے تھے۔ جبتک وہ زندہ رہے شیخ مرحوم ہمیشہ اُن کی خدمت میں رہا۔ شیخ شہاب الدین کی وفات ۱۲۳۴ء میں واقع ہوئی۔ یہ شیخ بڑا فاضل متبحر گذرا ہے اور اُس زمانہ میں یہ لاثانی سمجھا جاتا تھا۔ اس کے مرنے کا شیخ کو سخت قلق ہوا اور ان کے بعد اسکو کوئی ایسا صاحب کمال نظر نہ آیا جو اُن کی صفات سے متصف ہو اور جو اُن کی طرح اسکے ادق شکوک کی تشفی کرے اور غالباً یہی بڑی وجہ تھی جس سے اُس کے دل سے قریب قریب درویشی اور تصوف کے خیالات دور ہو گئے تھے +

شیخ کی زیادہ تر نشست برخاست علامہ ابو الفرج عبد الرحمن ابن جوزی کے پاس تھی اور یہ بھی اسکے حال پر نہایت شفقت اور مہربانی فرماتے تھے ایک دن کا ذکر ہے کہ سعدی غصہ میں بھرا ہوا اُن کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ فلاں طالب علم ہمیشہ میری بدگوئی کیا کرتا ہے۔ میں نے بارہا اُسکو سمجھایا ہے

مگر وہ باز نہیں آتا۔ آپ اُسے منع کردیں۔ ورنہ اچھا نہ ہوگا۔ سعدی اُس وقت طیش میں بھرا ہوا تھا۔ اُس وقت جو مُنہ میں آیا کہہ گیا۔ علامہ ابن جوزی خاموش اور سرنگوں بیٹھے سب کچھ سُنا کئے۔ جب اس کا غصہ فرو ہوا تو کہنے لگے کہ فلاں شخص کیا واقعی تیری بدگوئی کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا واللہ اس میں کچھ کلام نہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ بہتر ہے تم اسکی تعریف اور توصیف کیا کرو۔ "دہن سگ بہ لقمہ دوختہ بہ"۔ وہ خود ہی شرمندہ ہوگا۔ اگر تم اس سے بدلہ لوگے یا اوسکی بدگوئی کروگے تو جیسا قصوروار وہ ویسے تم تم کو اُس پر خاک بھی ترجیح نہیں۔ پس بہتر یہ ہے کہ تم اسکو ایسی حکمت عملی سے خوش کرو کہ سانپ بھی مرے اور لاٹھی بھی بچے۔ سعدی نے انکی نصیحت کو تسلیم کیا اور ان کے فرمانے کو دل وجان سے قبول کیا اور اسی معاملہ کو اُس نے گلستان میں ایک اَور پیرایہ میں بیان کیا ہے ؛

شیخ طالب علمی کے زمانہ سے عذب البیان اور طلیق اللسان تھا کہتے ہیں کہ اسکی خوش بیانی اور حُسن تقریر پر مدرسہ نظامیہ کے طالب علم رشک کرتے تھے اور اُس سے بید ہے مُنہ بات نہیں کرتے تھے۔ شیخ جو عالم شباب میں تھا یہ بات کب برداشت کرسکتا تھا۔ اکثر اُن سے لڑتا جھگڑتا رہتا تھا ایک دن نہایت بیزار ہوکر ابن جوزی کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ میری جادو بیانی نے میرے سینکڑوں دشمن پیدا کردئے ہیں۔ میری تقریر دلپذیر سے مدرسہ کے طالب علم جل بھُن کر کباب ہوجاتے ہیں اور رشک اور حسد کے مارے ہر روز مجھ سے لڑتے ہیں ؎

توانم آنکہ نیازارم اندرون کسے
حسود را چہ کنم کوز خود برنج در است

اور فلاں شخص تو میرا جانی دشمن ہے۔ یہ سُنکر ابن جوزی نہایت ... ہوا اور کہنے لگا تو رشک وحسد کی شکایت کرتا ہے اور یہ نہیں سمجھتا کہ

بدگوئی اور غیبت کتنا بڑا گناہ ہے - تم سب گنہگار بدشعار ہو - تو نے غیبت سے عاقبت خراب کی ہے اور اس نے رشک و حسد سے - یہ سُنکر شیخ اپنا سامنہ لے کر چلا آیا اور پھر کبھی شکایت نہ کی +

شیخ ۱۱۹۶ء میں مدرسہ نظامیہ میں داخل ہوا اور قریباً تیس۳۰ سال تک وہاں داخل رہا - یعنے ۱۲۲۶ء میں مدرسہ سے فضیلت کی دستار زیب سر کرکے رخصت ہوا - مدرسہ نظامیہ میں اگرچہ بڑے بڑے لایق اور فائق تعلیم پاچکے تھے مثلاً امام ابو حامد غزالی - شیخ عبد القادر سُہروردی - عماد الدین موصلی وغیرہ - مگر جو قبولیت شیخ مرحوم کے کلام کو اور جو شُہرت اس منتخب روزگار کے نام کو نصیب ہوئی وہ آجتک کسی مُصنف کو مُیسّر نہیں ہوئی اور شاید ہی آیندہ کسیکو مُیسّر ہو - ہندوستان میں بچہ بچہ شیخ مرحوم کے نام سے واقف ہے اور یورپ کی کوئی زبان ایسی نہیں جس میں شیخ مرحوم کا کلام ترجمہ ہوکر شائع نہ ہوا ہو +

کہتے ہیں کہ طالب علمی کے زمانہ میں شیخ نے بعینہ اپنا دستور العمل اُس طریقہ پر مقرر کیا تھا جسکی تصریح منوجی نے اپنے دھرم شاستر میں برہمنوں کی زندگی کے پہلے حصہ کے بارہ میں کی ہے - یعنے جب شیخ مدرسہ سے رخصت ہوا - تو اسکی عمر پچاس برس کی ہوچکی تہی اور اُس وقت تک یہ مجرد تھا اور نفسانی لذات سے سخت پرہیز کرتا تھا - سوتا بہت کم تھا - اور غذا نہایت سادی اور معمولی کہاتا تھا - ورزش بہت کرتا تہا - اور کئی کوس پیدل ہرروز چلتا تہا - ان نیک عادتوں کے باعث اُس نے طبعی عمر حاصل کی اور بڑہاپے میں اس کے قوے ایسے مضبوط اور درست تھے کہ جوانوں کے بھی نہیں ہوتے +

انقلاب زمانہ کو ملاحظہ کیجے - ایک وہ وقت تہا کہ پچاس برس کی عمر تک انسان تحصیل علم سے بھی فارغ نہ ہوتا تھا اور اسقدر عرصہ طالب علمی میں گذار دیتا تہا اور ایک یہ زمانہ ہے کہ پچیس تیس برس ہی کی عمر میں

انسان وادا ہو جاتا ہے اور وہ عمر جو اگلے وقتوں میں صرف تحصیل علوم کے لئے مخصوص ہوتی تھی اب وہ قسمت سے کسیکو نصیب ہوتی ہے +

شیخ علیہ الرحمتہ کی کم خوری اور اعتدال کی تائیداُس کے کلام سے بھی ہوتی ہے اُس نے گلستان میں اسی بارہ میں لکھا ہے ؎

اندروں از طعام خالی دار تادرو نورِ معرفت بینی

تہی از حکمتے بعلت آں کہ پُری از طعام تا بینی

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص نے کہا کہ یار تم خود سیر ہو کر کھانا کیوں نہیں کھاتے۔ ہوتے ہواتے خواہ مخواہ بھوکے مرتے ہو۔ جس قدر تم کھاتے ہو۔ اگر ہمکو ملے تو شاید ہمیں تو نیند بھی نہ آئے۔ اسکے جواب میں شیخ علیہ الرحمتہ نے مسکرا کر یہ شعر پڑھا ؎

خوردن برائے زیستن و ذکر کردنست

تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردنست

اُس شخص نے کہا یار ہم سے تو بھوک پیاس مطلق برداشت نہیں ہوسکتی ہمارا یہ اُصول ہے کہ بھوکے رہنے سے سیر ہو کر مرنا بہتر ہے۔ شیخ نے کہا یہ تمہاری سراسر غلطی ہے۔ اوّل تو خدا کا فرمان ہے کہ کم کھاؤ چنانچہ کلوا واشربوا ولا تسرفو سے یہ بات مترشح ہوتی ہے۔ اور دوسرا یہ کہ آزما کر دیکھ لو۔ جو شخص کم کھاتا ہے وہ بیمار نہیں پڑتا۔ کیا تم نے خراسانی درویشوں کی حکایت نہیں سُنی۔ اُس شخص نے کہا فرمائیے۔ وہ کیونکر ہے۔ شیخ نے کہا کہ دو درویش خراسانی باہم سفر کو نکلے۔ ایک اُن میں دوسرے دن کھانا کھاتا تھا اور دوسرا دن میں تین دفعہ اتفاقاً ایک شہر میں ان کا گذر ہوا۔ وہاں اُنپر کسی نے جاسوسی کی تہمت لگائی بیچارے دونوں گرفتار ہوگئے اور بادشاہ کے حکم سے ایک کمرہ میں قید کر دئے گئے اور اُس کمرہ کا دروازہ اینٹوں سے چن دیا گیا ایک ہفتہ کے بعد معلوم ہوا کہ یہ بیچارے بے گناہ ہیں چنانچہ فوراً اُن

کی رہائی کا حکم ہوا۔ مگر جب مکان کھولا گیا تو وہ بیٹھو تو عدم کو سدھارچکا تھا۔ لیکن کم خور صحیح وسالم تھا ؎

چو کم خوردن طبیعت شد کسے را | چو سختی پیش آید سہل گیرد
وگر تن پرور است اندر فراخی | چو تنگی بیند از سختی بمیرد

کم کھانے کی شیخ علیہ الرحمتہ نے گلستان کے تیسرے باب میں بھی بڑی تعریف کی ہے۔ چنانچہ منجملہ اور حکایات کے ایک حکایت یہ بھی لکھی ہے کہ ایک عجمی بادشاہ نے ایک حکیم حاذق کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیخدمت میں ارسال کیا اور کہلا بھیجا کہ اس سے خدمت لیجائے کہ جس مرض کا علاج کسی کو نہ آتا ہوگا۔ انشاءاللہ تعالےٰ یہ کریگا اور سوائے مرض موت کے تمام امراض بیخ وبن سے اکھاڑ دے گا۔ حکیم صاحب بہت عرصہ عرب میں رہے۔ مگر کبھی کسی نے اُن سے درد سر کا نسخہ بھی نہ لکھوایا۔ ناچار حکیم صاحب رسول مقبولؐ کیخدمت میں گئے۔ اور شکایت کی کہ مجھ سے کوئی خدمت نہیں لیجاتی۔ آنحضرتؐ نے مسکراکر فرمایا واقعی آپ کی ضرورت یہاں والوں کو بہت کم پڑے گی۔ اس لئے کہ یہ لوگ تاوقتیکہ خوب بھوک نہ لگے۔ کھانے پر نہیں بیٹھتے اور اشتہا باقی ہوتی ہے کہ کھانے سے اُٹھ بیٹھتے ہیں۔ اس لئے یہ بیمار نہیں ہوتے۔ پس جبتک یہ تندرست ہیں تو حکیم کی انہیں کیا ضرورت ہے۔ حکیم صاحب نے یہ بات تسلیم کی اور عجم کو واپس ہوئے ؎

فرشتہ خوئے شود آدمی بہ کم خوردن
وگر خورد چو بہائم بیوفتد چو جماد

انگلو پیڈیا برٹینے کا میں یہی لکھا ہے کہ طالب علمی کے زمانہ میں شیخ علیہ الرحمتہ نہایت پرہیزگار اور کم خور تھا اور یہی وجہ ہے کہ وہ کبھی بیمار نہیں ہوتا تھا اور ہمیشہ چاق چوبند رہتا تھا ÷

اگرچہ شیخ بلا کا خوش بیان تھا۔ مگر اُس کے کلام سے ثابت ہوتا ہے
کہ وہ خاموشی کو نہایت پسند کرتا تھا اور جب تک ضرورت نہ ہوتی ہرگز کلام نہ کرتا تھا
شیخ مرحوم ایک صاحب بصیرت آدمی تھا۔ اس نے اپنی تمام عمر خصایل انسانی
اور نیرنگی زمانہ کے مطالعہ میں صرف کی۔ اس نے حوادثات و واقعات روزگار سے
ایک عُمدہ سبق حاصل کرلیا تھا۔ اور اسکے دل میں یہ بات جمگئی تھی کہ ابناء جنس
کی خیراندیشی اور نصیحت۔ قوم کی دلسوزی۔ بادشاہوں کی اصلاح۔ رعایا
کی ہمدردی سے بہتر کوئی شے نہیں ہے۔ چنانچہ اُس نے اس عزم کو کامیابی
کے ساتھہ سرانجام دیا اور اپنے قلم اور عمر کو ہر طبقہ کے لوگوں کی بھلائی کے
لئے وقف کردیا۔ حُسن اتفاق سے شیخ کو ایسے ایسے موقعہ ملے اور ایسے ایسے
اتفاق جمع ہوگئے کہ جن سے اُسکی ذاتی قابلیت کو اپنے جوہر دکھانے کا اچھی طرح
موقع ملا اوّل تو وہ دارالعلم میں پیدا ہوا جو ایک مردم خیز خطہ تھا۔ دوسرا یہ کہ
اُسکی یتیمی اُسکی ترقی اور رشد کا باعث ہوئی۔ کیونکہ بیکسی کی حالت نے اُسے
غیرتمند اور جفاکش بنادیا۔ تیسرا یہ کہ خوبی قسمت سے جس مدرسہ میں وہ داخل
ہوا۔ وہ کُل مدارس اسلامیہ میں منتخب اور ممتاز تھا۔ چہارم یہ کہ اُس نے
ایسے ایسے صاحب کمالوں عالموں اور حکیموں کی صحبت میں نشست و برخاست
اختیار کی۔ جو اپنا نظیر آپ ہی تھے۔ مثلاً علامہ ابن جوزی۔ شیخ شہاب الدین
سُہروردی خواجہ نصیرالدین طوسی۔ مولینا جلال الدین رومی۔ قاضی ابن خلکان
علامہ قطب الدین شیرازی وغیرہ۔ جہاں کہیں وہ گیا وہاں کے علماء صلحاء
مشائخ اور کاملین سے ملا۔ ایسی ایسی عُمدہ صحبتوں کا میسر آنا بھی ہر ایک کے
نصیب میں نہیں ہے۔ پنجم یہ کہ اُس نے دُور دراز کے سفر اختیار کئے اور
دُنیا کے عجائبات اور قدرت کی نیرنگیاں دیکھہ کر ایک وسیع تجربہ حاصل کیا۔
ششم یہ کہ اُس نے سلطنتوں کے پے در پے انقلابات اور ملکوں کے متواتر تغیرات
مشاہدہ کئے۔ لاکھوں اس کے دیکھتے دیکھتے بن گئے اور کروڑوں بن بن کے

بگڑ گئے - اسکی آنکھوں کے سامنے امیر فقیر ہو گئے اور روستا ہے زادے وزیر بن گئے خاندان کردیہ کا چراغ اس کے روبرو گل ہوا سلجوق اور خوارزم کی معرکہ آرائی اُسکے سامنے ہوئی خوارزم کی شمع سلطنت اُسکی نظروں کے آگے تلتاریوں کی ہوائے اقبال سے گل ہوئی - دمشق اسکندریہ اور مصر کے خوفناک قحط میں فاقہ کشی اُسنے کی امراء کی مجلسوں اور بادشاہوں کے دربار میں ضیافتیں اس نے کھائیں چنانچہ ان تمام اسباب سے بنی نوع انسان کی دلسوزی اور ہمدردی اور خلقت خدا کی خیر خواہی اور بہبودی اُسکی سرشت میں ہمیشہ کے لئے متمکن وجاگزین ہو گئی - اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُسکا کلام جو سچے جوش کا نتیجہ تھا - مقبول خاص و عام ہوا - گلستان میں اس نے ایک لاجواب قطعہ لکھا ہے جس کے دو شعر اس مضمون کے مطابق ہیں ؎

زندہ است نام فرخ نوشیرواں بعدل * گرچہ بسے گذشت کہ نوشیرواں نماند
خیرے کن اے فلاں و غنیمت شمار عمر * زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

شیخ مرحوم میں انسانی ہمدردی کا اس قدر جوش تھا کہ وہ بسا اوقات اپنا ذاتی نقصان اوروں کے فائدوں کے لئے برداشت کر لیا کرتا تھا - اسکا یہ اُصول تھا کہ دنیا میں سب انسان بھائی بھائی ہیں یا یہ کہ خلقت خدا بحالت مجموعی ایک جسم ہے اور مختلف فرقے اس جسم کے مختلف اعضاء ہیں - اگر ایک جزو کو نقصان پہونچے تو سراسر کل کا نقصان و زیان ہے - چنانچہ فرماتا ہے ؎

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند | کہ در آفرینش ز یک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار | نماند دگر عضو ہا را قرار
تو کز محنتِ دیگراں بیغمی - | نشاید کہ نامت نہند آدمی

شیخ علیہ الرحمتہ کا دستور تھا کہ ہر محفل میں جا کر شریک ہوتا - شرابخانوں میں جانے میں اُسے عار نہ تھا اوباش و آوارہ لوگوں کی محفل کا تماشائی بننے میں ننگ یا کسر شان نہ سمجھتا تھا - ایک دن چند دوستوں نے اُسکو

منع کیا کہ حفظ مراتب انسان میں ضرور ہونا چاہئے اور کمینوں اور رذیلوں کی صحبت سے پرہیز کرنا چاہئے۔ سعدی نے جواب دیا کہ آپ نے شائد لقمان کا قول نہیں سنا کہ کسی نے اُس سے پوچھا تھا کہ تُو نے ادب کس سے سیکھا؟ لقمان نے جواب دیا "بے ادبوں سے!" جو بات مجھے اُن کی پسند نہ آئی وہ میں نے چھوڑ دی اور اُس سے پرہیز کیا۔ چنانچہ میرا بھی یہی اصول ہے ؎

تمتع ز ہر گوشۂ یافتم
ز ہر خرمنے خوشۂ یافتم

شیخ نے خیرات لینے میں کبھی عذر نہیں کیا جب کبھی کوئی اسے کچھ دیتا تھا وہ فوراً لے لیتا تھا۔ مگر خیرات یا زکوٰۃ جمع کرنے کے لئے یا صرف اپنا ہی پیٹ پالنے کے لئے نہیں لیتا تھا۔ اس سے یہ اَوروں کو بھی فائدہ پہنچاتا تھا۔ ایک دن اس سے ایک شخص نے سوال کیا کہ خیرات کی روٹی کے بارہ میں آپ کی راے کیا ہے؟ جواب دیا کہ اگر روٹی جمعیت خاطر کے لئے لیجاوے تو حلال ہے اور اگر مال جمع کرنے کے لئے لیجاوے تو حرام ہے ؎

نان از برائے کنج عبادت گرفتہ اند
صاحبدلاں نہ کنج عبادت برائے نان

شیخ کی طبیعت میں اگرچہ خاکساری بہت تھی مگر وہ خودداری حفظ مراتب اور پابندی وضع کو کبھی ہاتھ سے نہ دیتا تھا۔ ایک دفعہ اسکندریہ میں سخت قحط پڑا۔ اس آفت ارضی و سماعی میں جو سختی درویشوں پر گذری اُسکا ذکر نا گفتہ بہ ہے قحط کیا تھا۔ ہنگامہ محشر تھا۔ ایک ایک روٹی ہزار ہزار دنیار کو بک گئی اُس زمانہ میں شیخ اسکندریہ میں تھا اور طرح طرح کی مصیبتیں اُٹھا رہا تھا اسی شہر میں ایک خواجہ سرا تھا جو نہایت دولتمند تھا۔ اسکے ہاں سے غریبوں اور پردیسیوں کو کھانا اور نقدی ملا کرتی تھی۔ شیخ کے رفقاء اسکے پاس

آئے اور اس سے کہا کہ چلو اُس شخص کی دعوت میں چلیں۔ مگر شیخ نے انکار کر دیا اور یہ کہا کہ شیر بھوک کے مارے مر بھی جائے لیکن کتے کا جھوٹا کبھی نہیں کھاتا۔ بیشک ؎

دو ناں از دست دوناں جہاں باشد سناں خوردن
سناں در سینہ خوردن بہ کہ از دوناں دوناں خوردن

شیخ کی طبیعت حُسن پرست بھی بہت تھی کیونکہ خوبصورتی تندرست روح کی غذا ہے۔ اسلئے وہ خوبصورت آدمیوں سے بہت محبت و پیار کرتا تھا۔ ایکدن یہ اپنے حجرہ میں بیٹھا چراغ کی روشنی میں مطالعہ کتاب کر رہا تھا کہ اُس کا ایک دوست جو یوسف جمال اور خجستہ خصال تھا۔ اُن کے ملنے کے لئے آیا۔ سعدی اسکو دیکھ کر جامہ سے باہر ہوگیا اور فوراً تعظیم کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ مگر اُٹھنے میں اسکی آستین سے چراغ گل ہوگیا۔ سعدی نے کہا مرحبا اور خوش آمدید کے بعد اُسے تپاک سے بٹھایا اور اُس کے آنے پر بہت مسرت ظاہر کی۔ شیخ کا دوست بیٹھ گیا لیکن اُسے خیال پیدا ہوا شیخ نے دانستہ چراغ گل کر دیا ہے۔ اسپر آزردہ ہوا اور کہنے لگا تونے چراغ کیوں بڑھا دیا۔ سعدی بھی تھا حاضر جواب۔ کہنے لگا میاں خفا نہ ہو۔ دیا بڑھانے کے دو سبب ہیں۔ ایک تو آپ کے آنے سے میں نے سمجھا کہ آفتاب طلوع ہوگیا اور دوسرا یہ کہ مجھے یہ قطعہ یاد آگیا ؎

چوں گرانی بہ پیش شمع آید۔ خیزش اندر میان جمع بکش
ور شکر خندہ است و شیریں لب؟ آستینش بگیر و شمع بکش

گلستان کے تیسرے باب میں سعدی ایک جگہ کہتا ہے کہ ایک دفعہ کاذکر ہے کہ جوانی کے عالم میں ایک کوچہ میں میرا گذر ہوا۔ اندنوں میں گرمی کا یہ عالم تھا کہ چیل انڈا چھوڑتی تھی اور حدت آفتاب سے ہرن کالے ہوئے جاتے تھے اور پیاس کے مارے میرا حال غیر تھا۔ زبان پر کانٹے پڑے ہوئے تھے اور ہونٹ سوکھ گئے تھے۔ میں نے لاچار ہو کر ایک مکان کا دروازہ کھٹکھٹایا اور

پانی مانگا - تھوڑی دیر بعد ایک ایسی صورت پانی لیکر آئی کہ اگر اندھیری رات میں لب بام پر جاتی تو لوگوں کو گمان ہوتا کہ آفتاب طلوع ہوتا ہے - اُسکے ہاتھ میں ایک شربت کا پیالہ تھا - جس میں گلاب کا عرق پڑا ہوا تھا مجھے یہ خیال ہوا کہ اسکے گل رخسار پسینے کا کوئی قطرہ شربت میں ٹپک پڑا ہے جس سے یہ معطر ہو گیا ہے - میں نے شربت کا پیالہ اسکے ہاتھ سے لیکر پیا اور دوبارہ زندگی پائی ؎

خرم آں فرخندہ طالع را کہ چشم
بر چنیں روئے فتد ہر بامداد

ایسی ایسی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ حسن پرست تھا - اسکی طبیعت میں جنگجوئی نہ تھی اور نہایت صلح کل انسان تھا - ایک دفعہ اسکے ایک دوست نے ایسی حرکت کی جو اسکے خلاف شان تھی اور جسکے باعث سعدی سخت بیزار رہا مگر پھر جب اوس کا غصہ فرو ہوا تو اُس نے مفصلہ ذیل اشعار اُسے لکھکر بھیجے اور صلح کر لی ؎

جفا کردی و بد عہدی نمودی	نہ مارا در جہاں عہد وفا بود
ندانستم کہ بر گردی بزودی	بیکبار از جہاں دل در تو بستم
کزاں محبوب تر باشی کہ بودی	ہنوزت گر سر صلح ست باز آ

شیخ مرحوم کی طبیعت میں ظرافت اور مذاق بھی تھا - ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ بعد مدت کے ایک دوست سے راستہ میں دوچار ہوا اور زبان شکایت دراز کی کہ افسوس اس مدت میں نہ خود ملے نہ کوئی قاصد یا پیغام بھیجا - سعدی نے مسکرا کر کہا قاصد نہ بھیجنے کی یہ وجہ ہے کہ میرے رشک نے یہ گوارا نہ کیا کہ قاصد تیرا جمال جہاں آرا دیکھے اور میں محروم رہوں +

ایک دفعہ خواجہ شمس الدین نے جو شیخ مرحوم کا بڑا معتقد تھا تبریز سے پانسو دینار بطور نذر اپنے غلام کے ہاتھ شیخ کیخدمت میں ارسال کئے راہ میں غلام

ناکام نے ڈیڑھ سو دینار خود ہضم کر لئے۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ شیخ چشم پوشی کریگا اور کچھ نہ کہیگا۔ شیخ نے دیکھا کہ خط میں پانسو درج ہیں اور غلام ساڑھے تین سو دیتا ہے۔ بجائے رسید یہ قطعہ لکھ دیا ؎

خواجہ تشریفم فرستادی ومال مالت افزون باد وخصمت پائمال
ہر بدیناریت سالے عمر باد تا بمانی سہ صد و پنجاہ سال

ایک مرتبہ خواجہ علاء الدین نے تبریز سے جلال الدین ختنی کو حکم لکھا کہ شیراز میں شیخ سعدی کو ایکہزار دینار نذر کرو۔ مگر اُسوقت جلال الدین کا انتقال ہو چکا تھا۔ اسلئے وہ رقم شیخ علیہ الرحمۃ کو نہ ملی۔ شیخ کو جب حقیقت حال معلوم ہوئی تو یہ قطعہ لکھکر علاء الدین کے پاس بھیجا ؎

بنام صاحب دیوان علائے دولت ودیں کہ دیں بدولت ایام او ہمے نازد
رسید و پایۂ حرمت فزود سعدی را بسے نماند کہ سر بر فلک برافرازد
مثال او کہ صدر فتق جلال الدیں قبول حضرت او را اتفہنئے سازد
ولیک بر سر او خیل مرگ تاختہ بود چنانکہ بر ہمہ ابنائے دہر ہمے تازد
جلال زندہ نخواہد شدن دریں دُنیا کہ بندگان خداوندگار بنوازد
طمع بُریدم از دور سرائے عقبیٰ نیز کہ از مظالم مردم بمن نہ پردازد

یعنے میں نے جلال الدین سے آخرت میں بھی روپیہ وصول کرنے کی امید منقطع کردی ہے۔ بھلا اسکو وہاں لوگوں کے استغاثوں سے میری طرف رجوع ہونیکی فرصت کاہیکو ہوگی +

ایک دفعہ سفر کے تھکے ماندے شیخ مرحوم ایک امیر کے مکان پر گئے۔ وہاں اسوقت شعر و شاعری کی مجلس گرم تھی۔ احباب جلسہ اپنا اپنا کلام سُنا رہے تھے۔ شیخ صاحب سے بھی فرمایش کیگئی۔ شیخ کا اُس وقت بھوک سے قافیہ تنگ تھا۔ کہنے لگے بس ایک ہی شعر پر اسوقت اکتفا کرتا ہوں۔ سبنے کہا۔ فرمائیے۔ شیخ نے فی البدیہہ کہا ؎

من گرسنہ در برابرم سفرہ نان
ہمچو عزبم بر درِ حمام زنان

صاحب خانہ نے اُسیوقت کہانیکا حکم دیا۔ دسترخوان بچھایا گیا اور گرم گرم روٹی لونڈی نے لا رکھی۔ شیخ روٹی پر اس طرح گرے جیسے کئی دن کے بھوکے تھے۔ امیر نے کہا۔ جناب ذرا توقف فرمائیے۔ کوفتہ بھُن رہے ہیں۔ ابھی آتے ہیں شیخ صاحب ہنسے اور کہا ؎

کوفتہ بر سفرۂ من گو مباش
کوفتہ را نانِ تہی کوفتہ است

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک بادشاہ کشتی میں سوار تھا اور ساتھ ایک عجمی غلام تھا۔ غلام پہلے کبھی کشتی میں نہ بیٹھا تھا۔ دریا کو دیکھ کر کانپنے۔ رونے اور شور وغل مچانے لگا کہ مجھے اُتارو اس غلام کی حرکات سے بادشاہ کا سارا لطف کرکرا ہو گیا۔ فرمایا کہ کوئی اسکو کسی طرح چُپ کرائے۔ اتفاقاً شیخ بھی اس کشتی میں سوار تھے۔ عرض کی کہ جہاں پناہ اگر ارشاد ہو تو بندہ حکم کی تعمیل کرے۔ بادشاہ نے فرمایا۔ بڑا احسان ہوگا۔ سعدی نے آدمیوں کو حکم دیا کہ غلام کو پکڑ کر دریا میں ڈال دو۔ وہاں کیا دیر تھی۔ ملاحوں نے فوراً دریا میں ڈال دیا۔ بادشاہ اور تمام اہل کشتی حیران تھے کہ یہ کیا کیا۔ غلام جب خوب غوطے کہا چکا تو شیخ نے ملاح سے کہا کہ اسکو کشتی میں اُٹھا لو۔ چنانچہ ملاح نے اسکے سر کے بال پکڑ کر اُسے کشتی میں کھینچ لیا۔ جب غلام کشتی پر آیا تو نہ وہ روتا تھا نہ چیختا۔ خاموش ایک کونے میں بیٹھ گیا بادشاہ نے متعجب ہو کر پوچھا کہ اس میں کیا حکمت تھی۔ سعدی نے کہا کہ قدر عافیت کسے داند کہ بمصیبتے گرفتار آید۔

اس حکایت کی نسبت بعض کہتے ہیں کہ اُس کشتی میں سعدی خود موجود تھا بلکہ اُس نے ایک فرضی حکایت بطور تمثیل لکھی ہے۔ مگر میں نے ایک معتبر ایرانی کی زبانی سُنا ہے کہ وہ "حکیم" حضرت ہی تھے۔ شیخ نے اکثر گلستان اور

بوستاں میں اپنی سرگذشت اور اپنے ذاتی تجربے اور جو اتفاقات خود اسکے درپیش آئے ۔ دوسروں کے نام سے لکھے ہیں۔ اس سے کسر نفسی مقصود ہے اگر وہ ان پند و نصائح و نکات و حکمتوں کو خود اپنی ذات سے منسوب کرتا تو داخل خود ستائی سمجھا جاتا۔ علاوہ اسکے ؎

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

شیخ کی علمی لیاقت کی بابت بعض کی یہ رائے ہے کہ وہ دینیات۔ علم سلوک۔ علم ادب۔ علم مناظرہ کا فاضل تھا اور وعظ و مطائبہ میں نہایت مشاق تھا مگر فلسفہ اور حکمت میں اُسے بہت کم دستگاہ تھی۔ جن لوگوں کا یہ قول ہے وہ اپنی تائید میں گلستاں کی پہلی حکایت پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شیخ نے راستی اور دروغ کی ماہیت اور اصلیت کو نہیں پہچانا۔ شیخ کا اصول۔ "دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز" بالکل غلط ہے۔ سچ کو کبھی آنچ نہیں اور اگر سچ سے فتنہ اُٹھے تو وہ سچ ہی نہیں۔ سچ کا کبھی یہ مقصد مدعا اور غرض نہیں ہوتی کہ اُس سے فتنہ اُٹھے ٭

علاوہ اسکے یہ اشخاص کہتے ہیں کہ سچ کی تعریف یہ ہے کہ کسی شئے کو اُسکی اصلی اور حقیقی صورت میں ظاہر کرنا۔ اور کسی شئے کو اُسکی اصلی اور حقیقی صورت میں ظاہر نہ کرنا جھوٹ یا دروغ ہے۔ پس اصلیت کو اصلی اور حقیقی صورت میں ظاہر کرنے سے کبھی فتنہ و شر نہیں اُٹھتا۔ اور دروغ جسکی بنیاد اصلیت اور حقیقت پر نہیں ہے کبھی مصلحت آمیز نہیں ہو سکتا۔ پس اگر بادشاہ نے نیک محضر وزیر کے دروغ کو پسند کیا اور راستگو وزیر کے سچ سے ناراضی ظاہر کی تو وہ بادشاہ عقل سے معذور تھا۔ اگر راستگو وزیر کے سچ پر اعتبار اور عمل کرتا تو نتیجہ یہ ہوتا کہ مجرم اپنے اعمال کی سزا اور اپنے کیفر کردار کو پہنچتا اور انصاف ہوتا اور کوئی فتنہ یا شر پیدا نہ ہوتا۔ مگر بادشاہ نے دروغ کو ترجیح دی۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک مجرم اپنے سزا سے

واجب سے بچ نکلا اور عدل و انصاف میں فرق آیا۔ رعب و سیاست شاہی کو صدمہ پہونچا اور قواعد اخلاق یعنے قانون کی تعمیل نہ ہوئی۔ پس اس دروغ میں ذرہ بھر بھی مصلحت نہ تھی +

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک پادری صاحب کھڑے وعظ کر رہے تھے اثناء وعظ میں کہا کہ سعدی کی تعلیم پوچ اور لچر ہے اتفاقاً وہاں ایک مولویصاحب بھی کھڑے تھے۔ فرمانے لگے کیوں جناب پادری صاحب پوچ اور لچر کس لئے ہے۔ پادری صاحب نے کہا اسلئے کہ اُس نے لکھا ہے کہ "دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز" صاف دروغ کو راستی پر ترجیح دی ہے۔ مولوی صاحب نے کہا قبلہ پہلے ایک سوال کا جواب دے لیجے۔ پھر میں اس معاملہ میں گفتگو کروں گا اُنھوں نے کہا فرمائیے۔ مولویصاحب نے کہا۔ آپ کو ۱۸۵۷ء کا غدر یاد ہے؟ اُن دنوں میں میں دِلّی میں تہا۔ وہاں جب فرنگیوں کا قتل عام ہوا تو ایک انگریز مع میم ہمارے مکان میں آ چھپے۔ ہم نے میم اور صاحب دونوں کو دیسی کپڑے پہنا دیئے اور رحم کھا کر اُنہیں پناہ دی۔ اتنے میں کالے شمشیر بکف فرنگیوں کو ڈھونڈھتے ہوئے ہمارے مکان پر بھی آئے اور کہنے لگے۔ یہاں کوئی انگریز تو نہیں آیا۔ ہم نے کہہ دیا کہ ہم نے تو کسی انگریز کی شکل تک نہیں دیکھی۔ یہ سُنکر وہ چلے گئے اور بیچارے انگریز اور اُسکی میم کی جان بچگئی۔ اب فرمائیے کہ بندہ نے اچھا کیا یا بُرا۔ پادری صاحب اپنا سا مُنہ لیکر رہ گئے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ تمثیل درست نہیں۔ مولویصاحب نے ایک بیگناہ انگریز کی جان بچانے کے لئے دروغ گوئی کی۔ مگر جس نے اس حکایت سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ شیخ کے نزدیک جھوٹ بولنا بُرا نہیں۔ وہ سراسر غلطی پر ہیں۔ شیخ نے کہیں نہیں کہا کہ جھوٹ بولو۔ بلکہ گلستان کے آٹھویں باب میں اُس نے صاف لکھا ہے کہ جھوٹ بولنا بعینہ مانند اُس ضرب کے ہے جس کا زخم اچھا بھی ہو جاوے تو بھی نشان نہیں مٹتا ۵

یکے را کہ عادت بود راستی خطائے رود در گذارند ازو +
وگر نامور شد بقولِ دروغ دگر راست باور ندارند ازو +

گلستان کے باب اوّل کے عنوان سے ظاہر ہے کہ وہ باب بادشاہوں کی عادت کے بیان میں ہے اور آداب صحبت میں نہیں ہے۔ یہ حکایت بیان کرکے سعدی نے ایک بادشاہ کی خصلت بیان کی ہے کہ اُس نے وزیر نیک محضر کی دروغگوئی کو اسلئے راستباز وزیر کی راستی پر ترجیح دی کہ اوّل الذکر کی نیت نیکی پر مبنی تھی اور آخر الذکر کی نیت بدی پر تھی۔ یعنے نتیجہ اس حکایت کا یہ ہے کہ بادشاہوں کی نیت دیکھنی چاہئے +

جہانتک شیخ کی تصنیف اور کلام کو میں نے دیکھا ہے۔ اُسمیں کہیں بھی دروغ اور کذب کی تعریف نظر نہیں آئی بلکہ شیخ ایک مشہور راستباز اور راست گفتار شخص تہا۔ اور سچی بات کہنے سے کبھی نہ چوکتا تھا چاہے وہ سُننے والے کو کڑوی ہی کیوں نہ معلوم ہو +

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آباقا خان نے جو ہلاکو خاں کا بیٹا اور چنگیز خان کا پوتا تہا شیخ سے کہا کہ مجھے نصیحت کرو۔ شیخ نے فی البدیہہ یہ قطعہ پڑہا ؎

شہے کہ پاس رعیت نگاہ میدارد + حلال باد خراجش کہ مزد چوپانیست
وگرنہ راعی خلق ست زہر مارش باد + کہ ہرچہ میخورد از جزیہ مسلمانیست

آباقا خاں یہ قطعہ سُنکر آبدیدہ ہوگیا اور کہنے لگا کہ میں راعی ہوں یا نہیں؟ شیخ نے بیدھڑک کہا کہ اگر آپ راعی ہیں تو پہلا بیت آپ کے حسب حال ہے ورنہ دوسرا بیت +

اسی طرح ایک دن شیخ دمشق کی جامع مسجد میں یحییٰ علیہ السلام کی تربت پر معتکف تہا۔ اتفاق سے وہاں عرب کا ایک بادشاہ جو بے انصافی و ظلم میں مشہور تہا آپہنچا اور نماز سے فارغ ہوکر شیخ کے پاس گیا اور کہنے لگا مجھے ایک دشمن سخت اور غنیم زبردست کے حملہ کا خوف ہے۔ آپ میرے حق میں

دعا کریں تا کہ خدا مجھے اس اندیشہ سے مخلصی بخشے۔ شیخ نے کہا جفا شعاری کو چھوڑ اور رکمز ور رعیت پر رحم کر تا کہ زبردست دشمن سے محفوظ رہے ؎

ہر آنکہ تخم بدی کشت و چشم نیکی داشت
دماغ بیہودہ پخت و خیال باطل بست

ایک دن ایک اور بے انصاف اور ظالم بادشاہ نے شیخ علیہ الرحمۃ سے دریافت کیا کہ کونسی عبادت میرے لئے بہتر اور افضل ہے۔ شیخ نے کہا تیرے لئے یہی بہتر ہے کہ تو دو پہر تک سوتا رہا کر تا کہ اتنی مدت تک تو خلقت خدا تیرے ظلم و ستم سے بچی رہے ؎

ظالمے را خفتہ دیدم نیم روز | گفتم ایں فتنہ است خوابش بُردہ بہ
وانکہ خوابش بہتر از بیداری ست | آنچناں بد زندگانی مُردہ بہ

ان تمام باتوں سے واضح ہوتا ہے کہ شیخ سچا اور کھرا آدمی تھا۔ وہ جھوٹ سے کوسوں بھاگتا تھا اور سچی بات مُنہ پر کہے دیتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سچ کو ہمیشہ راحت ہے اسلئے وہ بادشاہ ہو یا وزیر۔ امیر ہو یا نواب۔ کسی سے نہ چوکتا تھا اور صاف صاف مُنہ پر کہدیتا تھا کیونکہ اُس کا تکیہ اس شعر پر تھا ؎

راستی موجب رضائے خداست
کس ندیدم کہ گم شد از رہ راست

شیخ مرحوم بڑا با استقلال آدمی تھا۔ اُسپر بڑی بڑی تکلیفیں اور سختیاں گذریں اور اُس نے بڑی بڑی مصیبتیں جھیلیں۔ عالم غربت میں اُسے تنگی اور عسرت نے بعض اوقات سخت لاچار کیا۔ مگر اس خدا کے بندہ نے دامن استقلال کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ شیخ نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ سفر میں نہ میرے پانوں میں جوتی تھی نہ جوتی خریدنے کا مقدور تھا میں نہایت بیدل ہوکر کوفہ کی جامع مسجد میں گیا۔ وہاں میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کے پاؤں بھی ندارد تھے اُسوقت میں نے خدا کا شکر کیا اور ننگے پانوں ہی غنیمت سمجھے۔ بعض مخالفین

یہ اعتراض کرتے ہیں کہ سعدی دنیا دار شخص تھا اور امیروں اور بڑے بڑے آدمیوں سے وہ ذاتی طمع کے باعث میل جول رکھتا تھا۔ یہ انکی سراسر زیادتی ہے چاند پر خاک ڈالو تو اپنے سر پڑتی ہے۔ امیروں سے میل جول و نشست برخاست وہ محض اس غرض سے رکھتا تھا۔ کہ ابنائے جنس کو فائدہ پہونچے۔ اس بات کی تائید جابجا اُسکی تصنیف سے ہوتی ہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک دوست سعدی کو ملنے آیا اور یہ گفتگو ہوئی:۔

دوست:۔ کیا کروں گردش زمانہ سے ناچار ہوں۔ مرنے کو تیار ہوں +

سعدی:۔ خیر باشد +

دوست:۔ اب فاقہ کشی کی طاقت نہیں رہی۔ عیال و اطفال کی تکلیف نہیں دیکھی جاتی۔ لڑکے بالے بہت سے ہیں اور آمدنی نہایت قلیل۔ کسی کسی وقت جی میں آتی ہے کہ جلاوطنی اختیار کروں اور ایسی جگہ کا لامنہ کر جاؤں کہ پھر میرے مرنے جینے کی کسیکو خبر نہ ہو ؎

بس گرسنہ خفت وکس ندانست کہ کیست

بس جاں بلب آمد کہ بر وکس نگریست

لیکن ڈرتا ہوں کہ میرے پیچھے دشمن ہنسینگے اور طعنہ دیں گے اور کہینگے کہ دیکھو کیسا بُزدل اور کم ہمت تھا کہ بچوں کی پرورش نہ کرسکا اور اُنکو چھوڑ کر چلا گیا ؎

بہ بیں آں بے حمیت را کہ ہرگز نخواہد دید روئے نیکبختی

تن آسانی گزیند خویشتن را زن و فرزند بگزارد بہ سختی

سعدی:۔ تمہارا حال سُنکر بڑا قلق ہوا۔ میرے لایق اگر کوئی خدمت ہو تو حاضر ہوں +

دوست:۔ آپ کو معلوم ہے کہ مجھے علم حساب میں اچھا ملکہ ہے۔ اگر آپ کی مہربانی سے مجھے بادشاہ کی ملازمت ملجادے تو ساری عمر کے لئے حلقہ بگوش رہوں +

سعدی:- مجھے آپ کے کام میں ذرہ بھی دریغ نہیں - مگر یہ یاد رہے کہ ملازمت سلطانی میں دو باتیں ہوا کرتی ہیں - اُمیدِ نان اور بیمِ جان ؎

کس نیاید بخانۂ درویش — کہ خراجِ زمین و باغ بدہ
یا بہ تشویش و غصہ راضی شو — یا جگر بند پیش زاغ بنہ

دوست:- افسوس بحث کیا تھی اور آپ کہاں جا نکلے - جو شخص نیک نیت اور بے لوث ہو اور کسی قسم کی خیانت نہ کرے - اُسکو کیا خوف ہے - داناؤں کا قول ہے کہ چار آدمی چار آدمیوں سے ڈرتے ہیں - حرامی - بادشاہ سے چور - نگہبان سے - بدکار - چغل خور سے اور فاحشہ کوتوال سے - جس شخص کا حساب پاک ہے اُسکو محاسبہ کا کچھ ڈر نہیں ؎

مکن فراخ روی در عمل اگر خواہی — کہ روز رفع تو باشد مجال دشمن تنگ
تو پاک باش برادر مدار از کس باک — زنند جامہ ناپاک گازراں بر سنگ

سعدی:- یہ سچ ہے مگر دشمنوں کے شر سے کبھی بیخوف نہیں رہنا چاہئے مانا کہ آپ دیانتدار ہیں - بڑے متقی اور پرہیزگار ہیں - مگر حاسد ہر وقت کمین میں رہتے ہیں - جبتک تریاق عراق سے آئے سانپ کے ڈسے ہوئے کا خاتمہ ہو چکتا ہے - جبتک تحقیقات ہو دشمن اپنا کام کر جاتے ہیں - بہتر یہ ہے کہ قناعت کرو اور ہمیشہ توکل پر بھروسہ رکھو ؎

اے قناعت تو نگرم گرداں
کہ ورائے تو ہیچ نعمت نیست

دوست:- افسوس ہے کہ آپ مجھے ٹالتے ہیں - سچ ہے دنیا مطلب کی ہے آیندہ دوستی کا لفظ زبان سے نہ نکالنا - بندہ پرور دوستی ٹیڑھی کھیر ہے - داناؤں نے سچ کہا ہے ؎

دوست مشمار آنکہ در نعمت زند — لاف یاری و برادر خواندگی
دوست آں دانم کہ گیرد دستِ دوست — در پریشاں حالی و درماندگی

سعدی نے دیکھا کہ میری نصیحت کارگر نہیں ہوتی بلکہ اُلٹا دوست ناراض ہوا جاتا ہے ناچار سفارش کا وعدہ کیا۔ اکثر امراء اور وزرا شیخ کے معتقد تھے۔ اور اسکی سفارش کبھی خالی نہ جاتی تھی۔ چنانچہ بہت جلد اس دوست کو ملازمت مل گئی اور آسودہ حال ہوگیا۔ اگرچہ کچھ شک نہیں کہ بعد ازاں وہی ہوا جو سعدی نے کہا تھا۔ دشمنوں نے بہتان اور افترا پردازی کرکے بیچارہ کو نکلوا ہی دیا مگر سعدی کی بدولت اُن کا روزگار لگ تو گیا تھا *

پس ظاہر ہے کہ شیخ دولتمندوں اور امیروں سے زیادہ تر رفاقت اسی غرض سے رکھتا تھا کہ اُسکی وساطت سے لوگوں کی مطلب براری ہو۔ حاجتمندوں کی حاجت برآئے اور مرادمند فائزالمرام ہوں *

چونکہ سعدی کی وساطت سے امیر و وزیر اہل غرض کی حاجت برآری کردیتے تھے۔ اسلئے سعدی ہمیشہ ان کی تعریف و توصیف میں سرگرم رہتا تھا اور اُن کی شان میں قصاید کہا کرتا تھا۔ اور اگر کوئی ان کو بُرا کہے تو سعدی اُس سے بحث کرتا تھا *۔ ایک دفعہ ایک درویش سے تونگری اور درویشی کے مضمون پر بحث ہوپڑی اور چونکہ سعدی کا مُدعی بہی ایک لایق و فایق درویش تھا۔ اس لئے فریقین نے جو دلایل قاطع و براہین ساطع پیش کیں وہ خالی از لطف نہیں۔ شیخ مرحوم نے اُن کو ذیل کے الفاظ میں بیان کیا ہے:۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میرا ایک محفل میں گذر ہوا۔ وہاں ایک شخص بظاہر درویش صورت بیٹھا ہوا دولتمندوں کی بدگوئی کررہا تھا۔ اس درویش نے جوش میں آکر یہاں تک کہہ دیا کہ فقیروں اور درویشوں کو مقدور نہیں اور تونگروں اور دولتمندوں میں حوصلہ نہیں ؎

کریماں را بدست اندر درم نیست
خداوندان نعمت را کرم نیست

آپ جانتے ہیں ان بزرگواروں کی نعمت کا نمک پروردہ ہوں، مجھے یہ بات

بہت بری معلوم ہوئی اور مجھ سے رہا نہ گیا - میں نے کہا کہ بابا یہ تو کیا بیہودہ تقریر کرتا ہے - دولتمند غریبوں کی آمدنی - گوشہ نشینوں کا ذخیرہ - زیارت کرنیوالوں کی جائے مقصود اور مسافروں کی جائے پناہ ہیں - یہ وہ بزرگوار ہیں جو اوروں کی راحت کے لئے بار گران اُٹھاتے ہیں - تا وقتیکہ اُن کے متوسلین اور زیردست نہ کہالیں - کہانا نہیں کہاتے اور اُنکی بخشش کا پس خوردہ - بیوہ عورتوں ضعیفوں - رشتہ داروں اور ہمسائیوں کو پہنچتا ہے - دولتمند جائداد کو وقف کر دیتے ہیں - نذر و نیاز دیتے ہیں - قربانی کرتے ہیں - زکوۃ اور صدقہ کا ثواب حاصل کرتے ہیں - قید سے آزادی دلواتے ہیں اور مہمانی کرتے ہیں - بہلا درویشوں کو اُن سے کیا نسبت ہے جو بدقت اور ہزار ہا پریشانیوں کے ساتھ صرف دو رکعت نماز ادا کرتے ہیں + ؎

توانگراں را وقف است و نذر و مہمانی
زکوۃ و فطرت و اعتاق و ہدیہ قربانی
تو کے بمنزل ایشاں رسی کہ نتوانی
بجز دو رکعت و آں ہم بصد پریشانی

اگر کیسکو بخشش کا مقدور ہے تو دولتمندوں کو ہے - اگر طاقت عبادت کیسکو ہے تو دولتمندوں کو ہے - سبب اسکا یہ ہے کہ اُن کا مال مزکےٰ ہوتا ہے - ان کا لباس صاف ستھرا اور پاکیزہ ہوتا ہے - اور واقعی عبادت کا مزا بھی تب ہی آتا ہے جب کہانا اچھا ملے اور لباس پاکیزہ ہو - بہلا جس کا پیٹ خالی ہو اُسمیں قوت کیا خاک ہوگی اور اُس کا دل عبادت پر خاک لگیگا جو خود تہیدست ہو وہ مروت کس برتے پر کر سکتا ہے جسکے پانوں ہی بندہے ہوں - وہ بیچارہ سیر کیا کرے گا اور جو مفلس و قلاش ہو وہ خیرات ہی کیا کریگا - کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جس شخص کے پاس صبح کے کہانیکا خرچ نہ ہو وہ رات کو پراگندگی کے مارے سو بہی نہیں سکتا - چیونٹی تمام گرمی کے موسم میں جمع کرتی رہتی ہے تا کہ جاڑے

ہیں فراغت سے کہاں ہے۔ فراغت کو فاقہ سے کیا نسبت اور جمعیت کو تنگدستی سے
کیا مشابہت جس وقت دولتمند عشا کی نماز کی نیت باندھتے ہیں اُس وقت درویش
بیچارے اس اُمید میں بیٹھے رہتے ہیں کہ یا الٰہی کہیں سے شام کا کھانا آوے۔ صاحب
مال ذکر خدا میں مشغول ہوتا ہے اور وہ بیچارہ بھوکا پریشان دل بیٹھا ہوا ہوتا ہے
نتیجہ یہ ہے کہ دولتمندوں کی عبادت زیادہ تر مقبول ہوتی ہے کیونکہ اُن کو جمعیت
خاطر حاصل ہوتی ہے ؎

خداوند روزی بحق مشتغل
پراگندہ روزی پراگندہ دل

عربی زبان میں ایک مثل ہے اعوذ باللہ من الفقر المکب وجار من
لا حب یعنے پناہ ہے خدا کی مجھے اُس احتیاج سے جو زمین پر اوندھا گرانے
والی ہے اور ایسے شخص کی ہمسائیگی سے جو محبت نہیں کرتا۔ اور حدیث
ہے۔ الفقر سواد الوجہ فی الدارین یعنے فقیری دو جہان کی روسیاہی ہے
درویش نے جواب دیا کہ یہ حدیث تو سنائی مگر وہ سنائیے کہ حضرتؐ نے فرمایا ہے
الفقر فخری یعنے فقیری میرا فخر ہے۔ میں نے کہا بس معاف رکھئے حضرتؐ
کا اشارہ اُس فرقہ کے فقر کی طرف ہے۔ جو رضا کے مرد میدان ہیں۔ جو تیر
قضا کے لئے ڈھال ہیں نہ کہ اُن شخصوں کیطرف جو بزرگوں کی گودڑی کو بیٹ
پلنے کا حیلہ بناتے ہیں ؎

اے طبل بلند بانگ در باطن ہیچ	بے توشہ چہ تدبیر کنی وقت بسیچ
روئے طمع از خلق بپیچ ار مردی	تسبیح ہزار دانہ بر دست مپیچ

درویش بے معرفت سے ایسے ایسے افعال سرزد ہوتے ہیں جو کفر کی حد
تک پہونچتے ہیں۔ چنانچہ کاد الفقر ان یکون کفراً اس دلیل کا ثبوت ہے۔ بھلا
جو خود برہنہ تن ہے وہ کہاں سے ننگوں کو کپڑے پہنا سکتا ہے۔ جو خود
فاقہ سے بیحال ہے۔ وہ بھوکوں کو کیا کھلا سکتا ہے اور جو تنگدست ہے وہ

قیدیوں کو کس طرح رہائی دلا سکتا ہے۔ پس جب یہ بات ہے تو فرمائیے کہ ہم لوگوں کا اُن سے کیا مقابلہ۔ اور خداوند تعالیٰ نے قرآن شریف میں اہل بہشت کی نسبت فرمایا ہے اولٰئک لھم رزق معلوم آپ کی تو وہ مثل ہوئی کہ بلی کے خواب میں چھیچھڑے ہی آتے رہتے ہیں ؎

تشنگاں را نمائد اندر خواب
ہمہ عالم بچشم چشمۂ آب

میری یہ تقریر سُنکر درویش جامہ سے باہر ہوگیا اور زبان زوری کے قدمباز گھوڑے کو میدان بیحیائی میں دوڑانے لگا۔ بولا کہ تم نے دولتمندوں کی تعریف میں آسمان و زمین کے قلابے ملا دئیے۔ یترے چند فقرات پریشان سے۔ غلو و مبالغہ کی کوئی حد باقی نہیں رہی۔ تیرے نزدیک اہل دولت رزق کے گھر کی چابی ہیں۔ یہ کیا لغو تقریر ہے۔ بلکہ یہ لوگ مغرور اور متکبر ہوتے ہیں۔ اِن کی بات بات سے نفرت ٹپکتی ہے۔ اپنی دولت پر نازاں ہوتے ہیں اور اپنے جاہ و ثروت پر فریفتہ۔ اُن کی جو بات ہے وہ کمینہ پن کی ہے۔ جس کسی کی طرف نگاہ کرتے ہیں کراہت اور حقارت کے ساتھ کرتے ہیں۔ عالموں کو قل اعوذی اور مُردہ شو کہتے ہیں اور فقراء کو کنگال کہہ کر طعنہ زنی کرتے ہیں۔ اس عارضی دولت پر اُن کو اس قدر فخر ہے کہ سب سے بالا اور بلند بیٹھتے ہیں اور نخوت سے کسی کی طرف نظر اُٹھا کر نہیں دیکھتے۔ یہ لوگ مارے غرور کے داناؤں کے قول کو خیال میں نہیں لاتے۔ جنہوں نے کہا ہے کہ جو شخص عبادت کی دولت سے محروم ہے اور دنیاوی دولت سے مالا مال ہے وہ ظاہر میں دولتمند ہے اور باطن میں فقیر ؎

گر بے ہنر بمال کند کبر بر حکیم
کون خرش شمار اگر گاؤ عنبر است

میں نے کہا میاں عقل کی دوا کرو۔ یہ لوگ صاحب کرم ہیں۔ اُس نے جواب دیا

تو غلط کہتا ہے بلکہ وہ بندۂ درم ہیں۔ اُن کی دولت سے کیسکو کیا فایدہ جب وہ مثل ابر کے ہیں لیکن وہ نہیں برستے۔ مانند آفتاب کے ہیں لیکن کیسکو روشنی نہیں دیتے۔ باوجودیکہ مقدور کے گھوڑے پر سوار ہیں۔ لیکن یہ حوصلہ نہیں رکھتے کہ اُسکو چلادیں۔ خدا کی راہ پر ایک قدم بھی نہیں چلتے اور ایک درم بھی بغیر کسی کی سفارش و خوشامد اور احسان اور منت جتانے کے نہیں دیتے۔ روپیہ بڑی محنت سے جمع کر کے ایسی خست اور کنجوسی کرتے ہیں کہ خدا کی پناہ۔ اور لطف یہ کہ یہ مال و متاع حسرت کے ساتھ نہیں چھوڑ جاتے ہیں۔ داناؤں کا قول ہے کہ خسیس کا روپیہ زمین سے اُس وقت نکلتا ہے جب خود خسیس خاک کا پیوند ہو جاتا ہے۔ خسیس تمام عمر اپنا پیٹ کاٹ کے جمع کرتا رہتا ہے اور جب وہ مرتا ہے تو اُسکا مال دوسرے بے مشقت اُڑاتے ہیں ؎

برنج وسعی کسے نعمتے بچنگ آرد
دگر کس آید و بے رنج وسعی بردارد

میں نے جواب دیا کہ بس آ گئے اپنی اصلیت پر۔ آپ گدا ہیں۔ آپ کو ان کی نعمت کا کیا وقوف ہے۔ بھائی صاحب جو شخص طمع کو یک قلم چھوڑے اُسکے نزدیک کریم اور بخیل یکساں ہیں۔ سچ ہے۔ کسوٹی جانتی ہے کہ سونا کیا ہے اور سائل جانتا ہے کہ خسیس کون ہے * میرے مدعی نے جواب دیا کہ میں اپنے تجربہ سے کہتا ہوں کہ دولت مند اپنے غریب خویش و اقارب کو گھر میں نہیں گھسنے دیتے اور غلیظ اور بے تمیز اشخاص کو دروازہ پر مقرر کر دیتے ہیں کہ دیکھنا کوئی عزیز یا رشتہ دار نہ آنے پائے اور اگر کوئی بندۂ خدا سائل آجائے تو ٹکا سا جواب ملازم کی زبانی دیتے ہیں کہ کہدو گھر میں نہیں ہیں اور واقعی سچ کہتے ہیں ؎

آنرا کہ عقل و حکمت و تدبیر و را سے نیست
خوش گفت پردہ دار کہ کس در سرا سے نیست

میں نے کہا کہ بیچارے کیا کریں۔ کہاں تک دیں۔ سائل کسیوقت ان کا

پیچھا نہیں چھوڑتے۔ ہر وقت عرضیوں کے انبار اور درخواستوں کے طومار لگے رہتے ہیں۔ ان سائلین کی چشم طمع تو شائد اُس وقت پُر ہو۔ جب ریگ بیابان موتی ہو جاوے ؎

دیدۂ اہل طمع بہ نعمت دنیا
پُر نشود ہمچناں کہ چاہ بہ شبنم

آپنے اکثر دیکھا ہوگا کہ وہ شخص جو سختی کشیدہ اور تلخی دیدہ ہیں۔ حرام و حلال میں حرص کے باعث بہت کم تمیز کرتے ہیں اور بے ساختہ افعال ناشائستہ اُن سے سرزد ہو جاتے ہیں۔ اگر کُتے کے سر پر ڈھیلا مارو تو وہ مارے خوشی کے اُچھل پڑتا ہے کہ شاید ہڈی کسی نے ڈالی ہے اور اگر دو شخص ایک نعش اُٹھائے لئے جاتے ہوں تو کمینہ یہی سمجھتا ہے کہ کھانیکا خوان لئے آتے ہیں ؎

سگے را اگر کلوخے بر سر آید ۔۔۔ ز شادی بر جہد کاں استخوانیست
اگر نعشے دو کس بر دوش گیرند ۔۔۔ لئیم الطبع پندارد کہ خوانیست

لیکن دولتمند جن کو خدا نے سب طرح کا مقدور دے رکھا ہے حلال و حرام میں بخوبی تمیز کرتے ہیں۔ آپ اسے تسلیم کریں گے کہ مفلس اور محتاج ہی سیند لگاتے ہیں۔ چوری اور بہت سے گناہ کرتے ہیں جنکا ذکر کرنا فضول ہے اور یہ جو آپ نے فرمایا کہ مسکینوں سے نہیں ملتے اور اندر ہی سے کہلا دیتے ہیں کہ کہدو گھر میں نہیں ہیں۔ اسکا جواب یہ ہے کہ بیچارے فقیروں کے ہاتھ سے جان بچاتے ہیں۔ حاتم طائی جنگل میں رہتا تھا۔ اگر شہر میں ہوتا تو فقیر اُسکے لباس کی دھجیاں اڑا دیتے۔ ایسا دق کرتے کہ ساری سخاوت بھول جاتا۔ کلیات میں لکھا ہے ؎

در من منگر تا دگراں چشم ندارد
کز دست گدایاں نتواں کرد ثوابے

غرض شیخ مرحوم کا اُس درویش کے ساتھ بہت دیر تک مباحثہ ہوتا رہا

جو دلیل وہ پیش کرتا تھا۔ شیخ مرحوم اُسے اپنے منطق کے زور سے رد کر دیتا تھا۔ حتیٰ کہ درویش کا ترکش لیاقت دلیلوں کے تیروں سے خالی ہوگیا۔ جب درویش شیخ بزرگ کے ساتھ دلیلوں کے زور سے عہدہ برآ نہو سکا۔ تو بدکلامی پر آگیا اور بُرا بھلا کہنے لگا۔ شیخ بھی ہر طرح موجود تھا۔ اُس نے ایک کہی تو اُنہوں نے دس سُنائیں۔ آخر درویش نے غصہ میں آکر شیخ کا گریبان پکڑ لیا اور ایک جھٹکا دیکر دھجیاں کر دیا۔ شیخ نے اس کے جواب میں اس زور سے بیچارے کے مُنہ پر تھپڑ مارا کہ اُسکا منہ پھر گیا۔ اب آگے آگے وہ بھاگتا تھا اور پیچھے پیچھے شیخ سعدی تھے۔ لوگ انکی ہیئت کذائی دیکھکر ہنس رہے تھے۔ چنانچہ شیخ نے خود کہا ہے سے

خلق از پے ما دوان و خنداں	او در من و من در و فتادہ
از گفت و شنید ما بدنداں	انگشت تعجب جہانے

القصہ لوگوں نے ان کو علیحدہ کیا اور دونوں اسبات پر راضی ہوئے کہ چلو قاضی کے پاس چلیں۔ جو فیصلہ وہ کرے ہمکو منظور۔ چنانچہ قاضی کے پاس گئے اور کُل حال بے کم وکاست اُس کے روبرو بیان کیا۔ قاضی نے جب شیخ کی تقریر سُنی تو بہت دیر تک مراقبہ میں رہا۔ پھر کہا اے شیخ تو نے دولتمندوں کی از حد تعریف کی ہے اور درویشوں پر ظلم ناروا کیا ہے۔ تجھے یاد رکھنا چاہیئے کہ جہاں گُل ہے وہاں خار بھی ہے۔ جہاں شراب ہے اُس کے ساتھ نشہ اور خمار بھی ہے۔ جہاں خزانہ ہے وہاں مار زہردار بھی ہے۔ جہاں دُر شاہوار ہے۔ وہاں نہنگ مردم خوار بھی ہے۔ تمام دولتمند یکساں نہیں ہوتے جس کے پاس دولت ہو یہ ضرور نہیں کہ وہ ہمیشہ نیکبخت اور با فیض بھی ہو سے

اگر ژالہ ہر قطرۂ دُر شُدے
چو خر مُہرہ بازار ازو پُر شُدے

انسان وہ اچھا ہے جو درویش ہو مگر دولتمندوں کی سی ہمت رکھتا ہو اور درویش کی خصلت رکھتا ہو۔ امیروں میں وہ بہتر ہے جسے فقیروں کی فکر رہے اور فقیروں میں وہ بہتر ہے جو دولتمندوں سے کم نے ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ یعنے جو شخص خدا پر توکل کرے اُس کے لئے کافی ہے۔ اس کے بعد قاضی نے درویش کی طرف غصہ کی نگاہ کی اور کہا کہ تو نے بھی از حد مبالغہ کیا ہے بیشک بعض بعض اہل دول ایسے ہیں کہ اُن کو کسی کی پرواہ نہیں ہے اور وے اپنے عیش و عشرت میں دن رات مست و مدہوش رہتے ہیں۔ مگر ایسے ایسے بھی لوگ ہیں جن کے فیض سے ایک عالم پرورش پاتا ہے اور جنکی طفیل میں لاکھوں کا کام نکلتا ہے۔ غرض قاضی نے دونوں کو قرار واقعی زجر و تنبیہ کی اور اس امر پر مجبور کیا کہ صلح کر لیں۔ شیخ رحمہ نے جس کا دل ہمیشہ مثل آئینہ کے زنگ کینہ سے صاف تھا فوراً درگذر کی اور یہ اشعار پڑھ کر اپنے مدعی سے مصالحت کر لی اور دونوں بغلگیر ہو گئے ؎

مکن ز گردش گیتی شکایت اے درویش
کہ تیرہ بختی اگر ہم بریں نسق گردی
تونگرا چو دل و دست کامرانت ہست
بخور ببخش کہ دنیا و آخرت بُردی

پس ظاہر ہوا کہ یہ مجمع محاسن و کمالات دولتمندوں اور تونگروں سے میل جول صرف اس غرض سے رکھتا تھا کہ ابنائے جنس کو فایدہ پہونچے اور اُسکو ہرگز اُن سے کسی قسم کی ذاتی طمع نہ تھی۔ چنانچہ گلستان کی اور بھی چند حکایات سے امیروں کے پاس شیخ کا اہل غرض کی سفارش لیجانا ثابت ہے +

سعدی کے علم و فضل کی نسبت اتنا کہنا کافی ہے کہ وہ جامع علوم تھا چند محققوں نے لکھا ہے کہ اُسکو چھبیس زبانیں آتی تھیں۔ سعدی جہاں جہاں گیا وہاں وہاں کی زبان اُس نے سیکھہ لی اور اس میں ایسی مہارت پیدا کی کہ اپنی مادری

زبان کے برابر کر لیا - علم تفسیر فقہ و حدیث میں وہ لاثانی تھا - شاعری میں بعض مصنف اُسے ایشیائی ہومر کہتے ہیں اور حکمت میں ارسطو سے ثانی سمجھتے ہیں - شیخ کی تصنیفات سے ظاہر ہے کہ وہ بہت بڑا فلسفی اور سائینس دان تھا - چنانچہ ایک بہت بڑے مضمون کو اُس نے دو سطروں میں عجیب خوبی کیساتھ ادا کیا ہے ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند
تا تو نانے بکف آری و بہ غفلت نخوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار
شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

تیسرا باب
شیخ کی سیاحت

شیخ مرحوم نے بہت سا حصہ اپنی عمر کا سیاحی میں صرف کیا اور مشرقی سیاحوں میں ابن بطوطا مسعودی اور ابن العقل کے سوا شیخ سعدی سے بڑھکر کوئی سیاح نہیں گذرا شیخ مرحوم مشرق میں خراسان ترکستان اور تاتار تک گیا ہے - اور بلخ و کاشغر وغیرہ میں قیام پذیر رہا ہے جنوب میں سومنات تک آیا اور سومنات سے ہندوستان کی سیر کرتا ہوا دریا کی راہ سے عرب کو چلا گیا شمال مغرب میں عراق - عجم - یمان - عراق عرب - شام - فلسطین اور ایشیا کوچک میں بارہا آیا اور گیا - اصفہان - تبریز - بصرہ - کوفہ - بیت المقدس - طرابلس الشرق - دمشق - دیار بکر اور اقضائے روم کے شہروں میں سالہا سال اُسکی آمد و رفت رہی مغرب کیجانب عرب اور افریقہ میں اسکا بار بار جانا اور وہاں ٹھیرنا معلوم ہوتا ہے

ہندوستان سے واپس ہوتے ہوئے یمن - صفا - حجاز - اسکندریہ - مصر - حبش - میں مقیم رہنا بھی شیخ کی تصانیف سے ثابت ہے + سر گوراوسلی لکھتے ہیں کہ شیخ نے ایشیا کوچک - بربر - حبش - مصر - شام - فلسطین - آرمینیا - عرب - جملہ ممالک ایران - اکثر ممالک توران - ہندوستان - رودبار - ویلم - کاشغر - اور جیحوں سے آگے تک اور بصرہ اور بغداد سے سرحد چین تک سیر کی اور چار دفعہ ہندوستان میں آیا - انسائیکلو پیڈیا برٹینکا میں لکھا ہے کہ شیخ مرحوم مدرسہ سے سنہ ۱۲۲۴ء میں رخصت ہوکر غالباً سنہ ۱۲۲۵ء یا سنہ ۱۲۲۴ء میں ہندوستان کیطرف روانہ ہوا اور بلخ - غزنی - پنجاب اور گجرات ہوتا ہوا سومنات چلا گیا - سومنات میں چند روز مقیم رہکر دلی آیا - وہاں سے یمن پہنچا - یمن سے حبش افریقہ اور مکہ مدینہ گیا - وہاں سے شام کیطرف متوجہ ہوا اور بہت مدت تک حبش میں رہا - دمشق سے آزردہ خاطر ہوکر وہ جنگل یروشلم میں تارک الدنیا ہو بیٹھا +

چیمبرز انسائیکلو پیڈیا میں لکھا ہے کہ شیخ مرحوم یورپ کے بھی اکثر ملکوں میں پھرا ہے اور یہ بات بیشک درست معلوم ہوتی ہے - کیونکہ اُسکو لاطینی اور فرانسیسی زبان میں بھی مہارت تھی +

شیخ مرحوم نے دریا میں بارہا سفر کیا ہے - خلیج فارس - بحر عمان - بحر ہند بحر عرب - بحر قلزم اور بحیرہ روم میں اُسکے متعدد سفر ثابت ہوتے ہیں + نفحات الانس میں لکھا ہے کہ شیخ نے بہت مدت تک بیت المقدس اور شام کے شہروں میں سقائی کی ہے +

شیخ آذری نے اپنی کتاب جواہر الاسرار میں بیان کیا ہے کہ شیخ شیراز سے ہندوستان میں آخری مرتبہ امیر خسرو کے دیکھنے کو آیا تھا - لیکن یہ امر مشکوک ہے جس وقت ہندوستان اور ایران میں خسرو کی شہرت ہوئی - اُس وقت شیخ کا عالم ضعیفی تھا اور یہ یقین نہیں آتا کہ اُس عمر میں اس قدر دور دراز سفر محض ایک نوجوان کے دیکھنے کی خاطر اختیار کیا ہو +

اکثر تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ شیخ نے چودہ حج پا پیادہ کئے تھے اور شیخ کے لئے یہ کوئی عجیب بات نہیں۔ وہ بلا کا جفاکش تھا اور اُسکی تصنیفات سے بھی اس روایت کی تصدیق ہوتی ہے +

شیخ کا سب سے پہلا سفر مکّہ معظمہ کیجانب تھا اُس وقت شیخ کی عمر نو سال کی تھی جب قافلہ حج کو جانے لگا تو حاجیوں کا شیخ۔ عبداللہ والد سعدی مقرر ہوا۔ اُس نے اپنے نہ سالہ بچّہ کو چوروں اور رہزنوں کے ڈر سے ہمراہ لیجانا مناسب نہ سمجھا مگر سعدی نے اپنی بھولی بھالی باتوں سے اپنی ماں کو سفر کرنے پر آمادہ کرلیا۔ اور بخیریت تمام زیارت حرمین شریفین سے فارغ ہوکر واپس آیا +

عالم سفر میں شیخ نے طرح طرح کی صعوبتیں اُٹھائی ہیں اور عالم غربت میں اسے سخت تنگی اور عسرت نصیب ہوتی ہے ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ بیابان فید میں جو ایک وحشت خیز۔ بے آب و علف جنگل اور چھ سو میل لمبا اور چار سو میل چوڑا صحرائے لق و دق ہے۔ بیچارے شیخ کے پاؤں میں چلتے چلتے چھالے پڑ گئے تھے اور کئی روز کی بیخوابی اور تکان سے اسقدر غلبہ ہوا کہ شیخ سر راہ پڑ کر سو گیا۔ اتفاقاً اُدھر سے ایک شتر سوار گذرا۔ اُس نے اونٹ کی نکیل کی رسّی شیخ کے سر پر ماری اور کہا کیا جینے سے بیزار ہے کہ آواز جرس سے بھی بیدار نہیں ہوتا +

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ چند درویشوں کا وزیر سلطنت کی طرف سے کچھ وظیفہ مقرر ہوا۔ مگر اتفاقاً انمیں سے ایک نے کوئی ایسی حرکت کی جو خلاف شان درویشان تھی۔ جس سے وزیر بدظن ہوگیا اور وظیفہ بند کردیا۔ سب نے شیخ سے التجا کی کہ تمہاری مدد درکار ہے۔ ورنہ ایسی زندگی سے عار ہے۔ شیخ نے اُن کی درخواست کو منظور کیا اور وزیر کی ملاقات کو گئے۔ دربانوں نے ان کے پھٹے پُرانے کپڑے دیکھ کر دروازہ پر روکا۔ چنانچہ خود شیخ فرماتے ہیں ؎

در میر و وزیر و سلطاں را	بیوسیلت مگرد پیرامن
سگ و دربان چو یافتند غریب	ایں گریباں گرفت و آں دامن

اتفاق سے وزیر کو اندر اطلاع ہوگئی وہ خود استقبال کے لئے نکل آیا اور بڑی عزت کے ساتھ اندر لے گیا اور صدر میں جگہ بیٹھنے کو دی۔ شیخ نے کہا معاف فرمائیے۔ بندہ فقیر اس جگہ کے لایق نہیں ہے ؎

بگذار کہ بندۂ کمینم
تا در صفِ بندگاں نشینم

وزیر نے کہا اللہ اللہ کر دیہ کیا بات ہے ؎

گر بر سر و چشم من نشینی
نازت بکشم کہ نازنینی

غیر شیخ مرحوم بڑی ردو کد کے بعد بیٹھے اور ادہر اُودہر کی گفتگو کے بعد حرف مطلب زبان پر لائے اور کہا ؎

چہ جرم دید خداوند سابق الانعام — کہ بندہ در نظرِ خویش خوار میدارد
خدائرا است مسلم بزرگواری الطاف — کہ جُرم بیند و ناں بر قرار میدارد

وزیر اشارہ سمجھ گیا اور فوراً وظیفہ پھر جاری کر دیا۔ شیخ مرحوم نے شکریہ ادا کیا اور چلتے ہوئے یہ قطعہ پڑھا ؎

چو کعبہ قبلۂ حاجت شد از دیار بعید — روند خلق بدیدارش از بسے فرسنگ
ترا تحمل امثال ما بباید کرد — کہ ہیچکس نزند بر درخت بے بر سنگ

ایک دفعہ شیخ مرحوم کو سفر میں چند درویش ملے۔ جو صورت و سیرت سے برگزیدہ اشخاص معلوم ہوتے تھے۔ شیخ نے کہا صاحبو مجھے بھی اپنا رفیق سفر بنالو۔ اُنھوں نے کہا کہ اس عزت سے ہمیں معاف رکھئے۔ شیخ نے حیران ہو کر سبب پوچھا۔ اُنھوں نے کہا کہ آپ ناخوش نہوں۔ اگر حقیقت حال سنئے گا تو ہمیں معاف رکھیے گا۔ چند روز ہوئے کہ ایک شخص درویش صورت ہمارے ساتھ ہولیا تھا۔ ہمیں اسکے باطن کی کیا خبر تھی ؎

چہ دانند مردم کہ در جامہ کیست — نویسندہ داند کہ در نامہ چیست

ہم نے حتی المقدور اسکی خدمت اور خاطر و مدارات کی رات کو ہم ایک قافلہ میں سوئے۔ علی الصبح ہمارے نئے یار نے ہمارا ایک آفتابہ اُٹھایا۔ اور طہارت کے بہانہ ہمارے پاس سے جاکر ایک مکان میں سیند لگائی اور ایک ڈبا زیور کا چُرایا اور پکڑا گیا۔ کوتوال نے اُسے ہمارے ہمراہ دیکھا تھا۔ ہم سب لوگ ناکردہ گناہ پکڑے گئے اور قید ہوئے۔ اُس دن سے ہم نے توبہ کی ہے کہ کسی ناواقف شخص کو ساتھ نہ لینگے۔ شیخ نے کہا۔ خیر اگرچہ آپ نے مجھے اپنی رفاقت کی عزت نہیں بخشی۔ مگر یہ نصیحت بھی جو آپ سے مجھے اس وقت حاصل ہوئی میرے لئے بیش بہا جواہر سے کم نہیں +

ایکدفعہ مکّہ کے بیابان میں شیخ مرحوم کئی دن کا جاگا ہوا تھا۔ خواب نے ایسا غلبہ کیا کہ ناچار وہیں زمین پر لیٹ گیا اور شتربان سے کہا کہ بھائی تو جا اور مجھے خدا کے حوالہ کر ؎

پائے مسکیں پیادہ چند رود
کز تحمل ستوہ شد بختی

ساربان نے کہا میاں ہوش کی دوا کرو۔ یہاں قزاقوں کا خوف ہے اگر سو جاؤ گے تو اپنے ہاتھ سے پاؤں پر کلہاڑی مارو گے ؎

خوش است زیر مغیلاں براہ بادیہ خفت
شب رحیل ولے ترک جاں بباید گفت

شیخ علیہ الرحمتہ نے گلستان میں لکھا ہے کہ کوفہ کے میدان میں ہمیں ایک شخص سروپابرہنہ قافلہ حجاز کے ساتھ پیادہ جاتا ہوا ملا۔ یہ شخص اپنے حال میں مست تھا اور کہتا تھا نہ تو میں اونٹ پر سوار ہوں اور نہ مانند شتر کے زیر بار ہوں۔ نہ میں صاحب رعیت ہوں نہ غلام شہریار ہوں۔ شتر سوار نے کہا اے دیوانہ لوٹ جا۔ کہاں جاتا ہے۔ مفت میں جان گنوائیگا۔ پیادہ نے ایک نہ سُنی اور ساتھ ساتھ چلا آیا۔ ایک منزل پر ہم نے قیام کیا۔ وہاں شان خدا اُس

شتر سوار کی موت آگئی - دم بدم وہ پیادہ اُس کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ بندہ تو سختی سے نہ مرا لیکن حضرت اونٹ پر بھی نہ بچ سکے ؎

اے بسا اسپ تیز رو کہ بماند
کہ خر لنگ جاں بمنزل بُرد

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ علیہ الرحمتہ کی سیاحت اُسکے لئے ایک وسیع تجربہ و مشاہدہ کا ذریعہ تھی - وہ ذرہ ذرہ پر نظر رکھتا تھا - قطرہ قطرہ کی حقیقت اور ماہیت کی نسبت چھان بین کیا کرتا تھا اور اپنی معلومات کو وسعت دیتا تھا - ہر واقعہ اور ہر حادثہ سے وہ کوئی نہ کوئی نتیجہ نکالتا یا سبق حاصل کرتا تھا اور مکروہات زمانہ کو ذاتی تجربہ کے باعث ایسے پیرائیہ میں بیان کرتا تھا کہ سامعین کو اُس سے عبرت اور نصیحت حاصل ہوتی تھی +

شیخ کے وقائع سفر سومنات کا واقعہ نہائیت عجیب ہے - جزیرہ نماء گجرات میں سومنات ایک قدیمی مندر تھا - جب شیخ وہاں پہنچا تو دیکھا کہ مندر کیا ہے ایک نگار خانہ چین ہے - جس میں ایک ہاتھی دانت کا بُت دھرا ہوا ہے جسکی پرستش کے لئے لاکھوں آدمی دور دور سے آتے ہیں - مرادیں مانگتے ہیں اور لاکھوں روپے کا چڑھاوا چڑھاتے ہیں - شیخ کو تعجب ہوا کہ انسان اشرف المخلوقات ہے - ان لوگوں کو کیا خبط ہوا ہے کہ ایک بیجان چیز کی پرستش کرتے ہیں اِس بات کی تحقیقات کے لئے شیخ مرحوم نے ایک برہمن سے دوستی پیدا کی اور اپنی لسانی کے باعث جلد اُسکے ساتھ شیر و شکر ہو گیا - یہاں تک کہ دونوں اکٹھے ہی رہنے سہنے لگے - ایکدن اپنے دوست کو نہایت خوش دیکھ کر شیخ نے دریافت کیا کہ یار تمہارے مُلک کی بھی عجیب لایعنی رسم ہے کہ ایک بیحس مورت کے آگے سجدہ کرتے ہیں - غرض شیخ نے اس مورت کی حقارت اور مذمت میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا - یہ گفتگو سُن کر وہ برہمن چونکنا ہوا اور کہنے لگا - اب معلوم ہوا کہ تو ملیچھ مسلمان ہے - خیر ابھی کیا گیا ہے

تو نے میرا جسم بھرشٹ کر دیا ہے تو تجھے بھی زندہ جانا نہیں ملیگا۔ یہ کہہ کر اس برہمن نے مندر کے پوجاریوں کو خبر کر دی۔ پوجاری مور و ملخ کیطرح شیخ کے گرد ہو گئے شیخ کے ہاتھوں کے طوطے۔ اڑ گئے۔ دل میں کہنے لگے کہ برے پھنسے۔ مگر شیخ نے اوسان بجا رکھے اور یہاں بھی حکمت عملی سے نہ چوکا اور کہنے لگا کہ بھلا میری کیا مجال ہے کہ اس مورت کو نظر حقارت سے دیکھوں۔ میں تو مدت سے اس کا دلدادہ ہوں اور اسکی الفت مجھے اسقدر فاصلہ سے یہاں کھینچ لائی ہے۔ لیکن میں یہاں نووارد ہوں۔ چاہتا ہوں کہ اسکی حقیقت اور اسرار نہانی سے واقف ہو جاؤں اور سمجھ بوجھ کر اسکی پرستش کروں۔ اس مندر کے مہا پنڈت کا چہرہ یہ بات سنکر دفور مسرت سے شگفتہ ہو گیا اور کہنے لگا۔ واقعی طالب دلیل منزل مقصود کو پہنچتا ہے آج کی رات تو مندر میں رہ۔ کل صبح تجھے اصل حقیقت معلوم ہو جاوے گی۔ شیخ نے طوعاً و کرہاً برہمن کے حکم کی تعمیل کی۔ صبح کے قریب تمام بستی کے چھوٹے بڑے بوڑھے جوان۔ مرد اور عورت اس مندر میں جمع ہو گئے۔ یہ رات شیخ نے اختر شماری میں گذاری اور بیخوابی سے اپنے دوست کی جان کو کوس رہا تھا کہ ناگاہ پوجاریوں نے ڈنکا بجایا اور سنکھ پھونکا اور اس مورت نے اپنا ہاتھ اٹھایا۔ جیسے کوئی دعا مانگتا ہے۔ یہ دیکھ کر پوجاری "دھن دھن ہو دھن ہو" کے نعرے مارنے لگے اور جے جے پکارنے لگے جب لوگ چڑھاوے چڑھا کر چلے گئے اور بھیڑ کم ہو گئی۔ تو وہ پنڈت شیخ بزرگ کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ اب بھی یقین ہوا یا نہیں؟ شیخ ظاہرداری سے رونے لگا اور ناک گھسنی کرنے لگا۔ برہمن نے شیخ کو تسلی دی اور کہا غم نہ کھا۔ ٹرا بت تیرے سب گناہ بخشیگا اور شیخ کا ہاتھ پکڑ کر مورت کے روبرو لے گیا۔ شیخ نے ظاہرداری سے نہایت عقیدت اور خلوص کے ساتھ مورت کے ہاتھ پر بوسہ دیا اور چند روز کے لئے برہمن بن کر ماتھے پر قشقہ لگایا اور گردن میں زنار پہنا اور رفتہ رفتہ اپنا اعتبار اسقدر بڑھا دیا کہ مہا پنڈت نے سب کام ان کے سپرد کر دیا۔ ایک روز جب آدھی رات ادھر اور آدھی رات ادھر تھی اور مندر میں سناٹا تھا۔ شیخ نے مندر کا دروازہ بند

کردیا اور بُت کے سنگاسن کے پاس جاکر ادہر اودہر دیکھنا شروع کیا۔ وہاں شیخ نے ایک مُکمّل بہ زر پردہ لٹکتا دیکھا۔ اسکے پیچھے ایک پُوجاری چھپا بیٹھا تھا اور اُس کے ہاتھ میں ایک ڈوری تھی۔ جب وہ اُس ڈور کو کھینچتا تھا تو فوراً اُس مورت کے ہاتھ اُٹھ جاتے تھے اور اس شعبدے کو عام لوگ کرشمہ تصور کرتے تھے۔ جب اُس پوجاری نے دیکھا کہ میرا راز طشت از بام ہوگیا تو کھسیانہ ہوکر وہاں سے بھاگا۔ شیخ نے سوچا کہ اگر جان سلامت لیگیا تو میرا کوئی ٹھکانا نہیں پس اسکا قصہ تمام کردو۔ چنانچہ شیخ نے اسکا تعاقب کرکے اُسے جا پکڑا اور وہیں پچھاڑ کر قریب ایک کنواں تھا اُس میں ڈال دیا اور راتوں رات مندر سے بھاگ نکلا اور سیدھا دلّی کا رستہ لیا ٭

غلط معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ میں مفصلۂ ذیل اشعار زبان ریختہ میں شیخ علیہ الرحمۃ نے کہے کیونکہ اُس زمانہ میں ہندوستان کی بولی یہ نہیں تھی؎

قند چو دیدم بر رخش گفتم کہ یہ کیا دیت ہے	گفتا کہ دُرا سے یا درے اسملک کی یہ ریت ہے
ہم نا تمہیں کو دل دیا۔ تم دل لیا اور دُکھ دیا	ہم یہ کیا تم وہ کیا۔ ایسی بھلی یہ پیت ہے
سعدی بگفتار ریختہ در ریختہ دُر ریختہ	شیر و شکر آمیختہ۔ ہم ریختہ ہم گیت ہے

فرانس کے مشہور محقق ام گارسن ڈی ٹیسی تحریر فرماتے ہیں کہ سعدی شیرازی پہلا شخص ہے جس نے ہندوستان کی زبان میں مذکورہ بالا اشعار کہے۔ اس امر کی تائید ملک الشعراء مرزا رفیع سودا نے بھی اپنے تذکرہ میں کی ہے۔ مگر بعض اشخاص کہتے ہیں کہ جس زمانہ میں ریختہ کی بنیاد پڑنی شروع ہوئی تھی ایک شاعر سعدی تخلص ہوا ہے اور سب سے پہلے یہ اشعار اُس نے کہے ہیں۔ چنانچہ ان اشخاص کے بیان کی تائید حکیم قدرت اللہ خاں قاسم کے تذکرہ سے ہوتی ہے میری رائے میں بھی مانسیر ڈی ٹیسی کی تحقیق زیادہ تر قرین قیاس نہیں۔ اِن اشعار سے جو صدر میں تحریر ہو چکے ہیں صاف مترشح ہے کہ یہ کسی ہندوستانی کی زبان ہے اور ایک ایرانی سے ایسی کھچڑی نہیں پک سکتی ٭

سومنات کے واقعہ کی نسبت بعض یہ اعتراض کرتے ہیں کہ شیخ نے یہ فرضی قصہ لکھا ہے اور اس سے مراد صرف بت پرستی کی مذمت ہے اور درحقیقت ایسے بڑے مندر میں جو تمام ہندوستان کے مہاراجوں راجاؤں اور راناؤں کا معبد تھا جس میں ہر وقت لاکھوں پوجاری اور ہزاروں بھجن گانیوالے اور سینکڑوں جاتری شب و روز موجود رہتے تھے۔ شیخ مرحوم سے ایسے فعل کا ارتکاب ہونا قطعی ناممکن تھا +

میں کہتا ہوں اس روایت میں کوئی بات فوق العادت یا سوپرنیچرل نہیں ہے۔ شیخ نے ظاہرداری سے وہاں اپنا رنگ ایسا جمایا کہ تمام پُوجاری اسے برہمن ہی سمجھتے رہے۔ کیا عجب ہے کہ یہ فعل اُس نے ایسے موقع پر کیا ہو۔ جبکہ مندر میں کسی اتفاق سے کوئی موجود نہ تھا اور چاروں طرف سے مطلع صاف تھا +

شیخ مرحوم نے یہ واقعہ نظم میں بیان کیا ہے۔ اسکو پابندی نظم مدنظر تھی اُسے حسن بیان اور زینت الفاظ کا خیال تھا۔ پس اگر وہ قصہ کی تمام جزئیات کے بیان کرنے میں قاصر رہا تو اسمیں کوئی اچنبا نہیں +

شام یا عراق کے کسی شہر میں ایک زاہد مرتاض رہتا تھا۔ جسکے معتقد بڑے بڑے اشخاص تھے اور دُور دُور سے اُسکی زیارت کو لوگ آتے تھے۔ شیخ نے بھی ہر روز اس کیخدمت کی اور ایک دن اُس سے درخواست کی کہ قبلہ کوئی ایسی تدبیر عنایت ہو کہ بندہ استغنائے مجسم ہو جائے اُس نے کہا کہ تمہیں عشق حقیقی ہونا چاہئے اور عشق حقیقی کا پہلا زینہ عشق مجازی ہے۔ جاؤ کسی پر عاشق ہو۔ شیخ وہاں سے رخصت ہو کر آیا اور ایک قصاب کی لڑکی پر عاشق ہوا۔ شہر کے قصابوں نے پنچائیت کی کہ اس بلائے مُبرم سے کسی طرح عہدہ برآ نہیں ہو سکتے بہتر ہے کہ کسی حکمت سے اُسکو ٹالا جاوے۔ چنانچہ تمام اکٹھے ہو کر شیخ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اے شخص تیری حرکت مذموم سے ہماری سخت بدنامی ہوئی تو ہماری ایک شرط پوری کر دے پھر ہم اس لڑکی کا نکاح تیرے ساتھ کرا دیویں گے۔ شیخ نے کہا فرمائیے وہ کیا شرط ہے۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ ہمارے ہاں رواج ہے کہ ہم اپنی ہی قوم اور کفو میں

لڑکیاں بیاہتے ہیں۔ تو غیر قوم کا ہے۔ تیرے ساتھ ہم تب لڑکی کا نکاح کریں گے
جب تو پانچسو بکریاں ہم کو نمک اور ہمیر کہیں سے ہمکو لادے تاکہ اگر کل کو کوئی ہمکو
طعنہ دے تو ہم کہیں تو سہی کہ ہم نے جو غیر قوم کے شخص کو لڑکی بیاہی تو کچھ دیکھ کر
بیاہی۔ بس اب تشریف لے جائیے اور جو شرط پیش کی گئی ہے۔ اُسکو پورا کرکے
آئیے۔ اگر خالی ہاتھ آؤگے تو پچھتاؤگے۔ غرض شیخ وہاں سے رخصت ہوا۔
اتفاق سے اُسکا گذر قاضی شہر کی مجلس میں ہوا۔ اُس وقت شیخ نہایت
شکستہ حال تھا۔ اسکے کپڑے پھٹے پُرانے اور میلے کچیلے تھے اور مجلس میں تمام علمائُ
و فقہا کمال تزک و احتشام سے لباس فاخرہ پہنے ہوئے بیٹھے تھے۔ شیخ سادگی سے
سب کے برابر جا بیٹھا۔ خدام نے جھڑک کر اُٹھا دیا اور قاضی نے بھی خشم آلودہ نگاہ سے
شیخ کی طرف دیکھا اور کہا " اَیاز قدر خود بشناس"۔ غرض شیخ کو مشکل سے پائین
مجلس میں جگہ ملی۔ اتفاقاً اس وقت کسی مشکل مسئلہ پر بحث ہو رہی تھی اور تمام
لوگ اس عقدہ کے حل کرنے سے عاجز تھے۔ شیخ نے دور ہی سے باواز بلند
کہا کہ اگر مجھے اجازت ہو تو میں بھی کچھ عرض کروں۔ سب شیخ کیطرف متوجہ ہوئے
اور اُسکی کم حیثیتی اور جُرات پر سبکو حیرت ہوئی۔ شیخ نے فصیح تقریر میں براہین قاطع
اور دلائل ساطع دے کر اُس عقدہ مالاینحل کو ایک دو منٹ میں حل کر دیا۔ چاروں
طرف سے تحسین و آفرین کی صدائیں آنے لگیں۔ قاضی نے مسند چھوڑ دی اور
عمامہ سر سے اُتار کر شیخ کے آگے رکھدیا۔ شیخ نے کہا یہ غرور کا پائے بند" مجھے نہیں چاہئے
کہیں ایسا نہ ہو کہ میں یہ دستار سر پر رکھ کر تمہاریطرح پھٹے پُرانے کپڑے والوں سے
نفرت کرنے لگوں۔ غرض شیخ اس قسم کی گفتگو کرکے وہاں سے چلا گیا +

کہتے ہیں اس شہر کے بادشاہ نے بہت سی شراب پی کر حالت بدمستی میں اپنی بیگم
سے قسم کھائی تھی کہ میں تمام بادشاہی تجھے بخشدوں گا۔ اگر نہ بخشوں گا تو میری
طرف سے تجھکو طلاق ہوئی۔ جب بادشاہ کا نشہ ہرن ہوا تو اپنے اقرار کو یاد کرکے
پچھتایا اور تمام علماء اور وزرا کو جمع کرکے کہنے لگا کہ کوئی ایسی تدبیر کرو

کہ بادشاہی بھی نہ جائے اور قسم بھی ادا ہو جائے - تمام وزیر اور منطقی ہر چند تدبیریں سوچتے تھے مگر ان کو کوئی بات ایسی نہ سوجھتی تھی جو بادشاہ کے منشاء کی مطابق ہو اُدھر بیگم زور دے رہی تھی کہ بادشاہ سلامت اپنے اقرار کو پورا کرو - ورنہ بندی آپ پر حرام مطلق ہے - آخر ناچار ہو کر قاضی نے بادشاہ سے عرض کی کہ ایک شخص فقیروں کے لباس میں اس شہر میں وارد ہے - وہ اس مسئلہ کو حل کریگا - غرض اُسیوقت شاہی سرہنگ شیخ کی تلاش میں چاروں طرف دوڑ پڑے اور فوراً شیخ کو بڑی عزت اور احترام سے بادشاہ کے حضور میں لے آئے - شیخ نے تمام قصہ سنا اور کہا کہ میں اس شرط پر اس مسئلہ کو خاطر خواہ حل کر دونگا آپ مجھے پانچسو بکریاں یک رنگ اور یک عمر منگوا دیں - بادشاہ نے فوراً وزیر اعظم کو حکم دیا کہ ایک ہفتہ کے عرصہ میں بکریاں مطلوبہ حاضر ہوں - چنانچہ ہفتہ عشرہ میں شیخ کی فرمائش بہم پہنچ گئی - جب شیخ نے دیکھا کہ میں نے اپنا مقصود حاصل کر لیا تو بادشاہ سے کہا کہ حرم سراء میں پردہ کرا دو اور پس پردہ بیگم کو بٹھا دو - پھر شیخ نے ایک قرآن شریف منگوایا اور بادشاہ سے کہا کہ یہ قرآن شریف بیگم کے ہاتھ میں دو اور کہدو کہ میں تجھے ہفت اقلیم کی بادشاہی سے کہیں بڑھ کر دولت بخشتا ہوں - غرض شیخ مرحوم نے اس طرح سے بادشاہ کی قسم کو قائم رکھا اور دختر قصاب سے شادی کر لی - چنانچہ کہتے ہیں کہ یہ شیخ کی پہلی اہلیہ تھی ؎

یہ روائیت بعینہ کولمبس کی انڈوں والی حکایت سے متشابہ ہے - یعنے ایکدفعہ کا ذکر ہے کہ کولمبس امریکہ دریافت کر کے واپس آیا تو اُس کے دوستوں نے ایک ایوننگ پارٹی دی اور جب تمام آدمی کھانے کی میز پر بیٹھے تو بعض اشخاص نے کہا جو کام کولمبس نے کیا ہے وہ ہر ایک کر سکتا ہے جو سفر دریا طے کرتا وہی نئی دنیا دریافت کر لیتا - کولمبس نے کونسی انوکھی اور مشکل بات کی ہے کولمبس نے یہ سُنکر جوابدیا کہ اچھا میز پر اُبلے ہوئے انڈے دھرے ہیں - اگر تم ان کو سیدھا میز پر کھڑا کر دو گے تو میں جانونگا کہ تم امریکہ دریافت کر لیتے - یہ

سن کر تمام اشخاص انڈے اٹھا کر میز پر کھڑے کرنے لگے - مگر ہر چند وہ کوشش کرتے تھے انڈا قائم نہ رہتا تھا - بلکہ لڑھک جاتا تھا - آخر جب سب ہار گئے تو کہنے لگے کہ اچھا تم ہی کر کے دکھاؤ - کولمبس نے ایک انڈا اٹھایا اور سر کیجانب سے کھٹک کر فوراً میز پر کھڑا کر دیا - یہ دیکھ کر تمام بول اٹھے - یہ کیا مشکل تھا - یہ تو ہر ایک کر سکتا ہے کولمبس نے جواب دیا کہ اسیطرح امریکہ بھی ہر ایک دریافت کر سکتا ہے ؀

شیخ مرحوم کا دختر قصاب سے شادی کرنا ایک ایسا واقعہ ہے کہ جسکو محض قصہ سمجھنا چاہئے - پرانے زمانہ کے لوگ اس قصہ کو اکثر بیان کرتے ہیں - لیکن کسی کتاب میں دیکھنے میں نہیں آیا - پس اسکی تائید میں جہاں تک مجھے معلوم ہے تقریری شہادت ہے - تحریری شہادت کوئی نہیں - اس لئے ہم اسے کما حقہ باور نہیں کر سکتے صرف احتمال ہے کہ شائد یہ بات درست ہو ؀

یہاں سے شیخ علیہ الرحمتہ یمن چلا گیا - انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں لکھا ہے کہ شیخ علیہ الرحمتہ کا لڑکا دار الخلافہ یمن میں فوت ہوا - غالباً یہ لڑکا شیخ کی اسی بیوی سے تھا جس سے اس نے دمشق یا شام میں نکاح کیا تھا اور جس کا قصہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں شیخ کو اس لڑکے سے بہت محبت تھی اور اسکی دائمی مفارقت نے شیخ کو نڈھال کر دیا - چنانچہ اس غم غلط کرنے کے لئے تمام افریقہ میں سیر و سیاحت کرتا رہا اس کے بعد وہ مکہ معظمہ چلا گیا - پھر کچھ عرصہ تک مدینہ منورہ میں قیام پذیر رہا - کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت سرور کائنات صلعم کے روضہ مبارک پر کھڑے ہو کر شیخ مرحوم نے یہ قطعہ فی البدیہ پڑھا تھا ؎

بلغ العلےٰ بکمالہٖ
کشف الدجےٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ
صلو علیہ وآلہٖ

یثرب و بطحا سے ہوتا ہوا شیخ سیر میں چلا گیا - یہاں سے اس نے دمشق کا رخ

کیا اور بہت مدت تک مقیم رہا۔ دمشق میں اس نے اپنے دوستوں کو اسقدر خود غرض خود مطلب اور زمانہ ساز پایا کہ اہل دمشق سے برداشتہ خاطر ہوکر اُس نے بیابان قدس یعنے فلسطین کے جنگلوں میں رہنا اختیار کیا اور آدمیوں سے ملنا جلنا چھوڑ دیا۔ ان دنوں فلسطین یعنے پیلیسٹائن میں صلیبی لڑائیوں کا سلسلہ جاری تھا اور عیسائی اہل اسلام کے خون کے پیاسے تھے۔ اتفاقاً شیخ علیہ الرحمۃ عیسائیوں کے ہاتھ آگیا۔ اُنھوں نے فوراً اسکو قید کرلیا اور مشرقی ٹرپولی کی خندق پر جو شہر کے استحکام اور حفاظت کے لئے تیار ہو رہی تھی۔ یہودی اسیروں کے ساتھ جو بلگیریا اور ہنگری سے قید فرنگ میں گرفتار ہوکر آئے تھے۔ اسکو ٹوکریاں ڈھونے پر لگا دیا۔ سر پر اینٹوں کی ٹوکری۔ بدن پر پھٹے ہوئے کپڑے اور چہرہ پر گرد وغبار کا پوڈر دیکھ کر ایک حلبی امیر کے آئینہ دل پر جو اتفاقاً وہاں آنکلا ٹھیس لگی اور شیخ سے دریافت کیا کہ کس حال میں ہو۔ شیخ نے جواب میں یہ اشعار پڑھے ؎

همے گریختم از مردماں بکوہ و بدشت ❊ کہ از خدائے بنودم بدیگرے پرداخت

قیاس کن کہ چہ حالم بود درایں ساعت ❊ کہ در طویلۂ نامرد ماں ببائد ساخت

پھر کہا کہ جو شخص یگانوں سے کوسوں بھاگتا تھا۔ وہ آج بیگانوں کے پنجہ میں گرفتار ہے۔ زندگی سے بیزار ہے۔ امیر حلب کو ترس آیا اور دس دینار دے کر شیخ کو اس قید سے رہائی دلوائی اور اپنے ہمراہ حلب لیگیا۔ اس امیر کی ایک بیٹی ناکتخدا تھی۔ اُس نے شیخ کا نکاح سو دینار مہر مقرر کر کے اپنی لڑکی سے پڑھا دیا۔ شیخ کچھ مُدت تک حلب میں رہا مگر شیخ کی بیوی پرلے درجہ کی بدمزاج اور بدزبان تھی اسکی زبان درازی سے شیخ کا دم ناک میں آگیا تھا۔ ایک دفعہ کسی نزاع پر لڑکی کہہ اُٹھی تُم بس بیٹھو بھی بہت بڑھ بڑھ کے باتیں اُس سے بناؤ۔ جسکو تمہاری حقیقت معلوم نہ ہو۔ آپ وہی ہیں جسے میرے باپ نے دس دینار دیکر خریدا تھا۔ شیخ نے جواب دیا کہ واقعی بندہ وہی غلام ہے جسکو حضور کے والد نے دس دینار بکر

خرید ا اور سو دینار کو حضور کے ہاتھ بیچ ڈالا*
اس عورت کی نسبت ایک اور روائیت بھی مشہور ہے کہ ایک روز سعدی شادی کے برخلاف وعظ کر رہے تھے۔ ایک شخص نے کہا۔ ہئیں! سنت پیغمبر کو منع کرتے ہو۔ اسپر آپنے فرمایا کہ آج ہمارے ہاں آپ کی دعوت ہے۔ جس وقت مہمان کھانا کھانے آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ بلائے ناگہان شیخ بزرگ کے سر پر سوار ہے شیخ نے کہا کہ بیوی غصہ کو تھوک دو اور ایک مہمان آیا ہے اسکو لئے کچھ کھانے کا بندوبست کرو۔ اس خدا کی بندی نے ایک مٹی کی ہانڈیا اُٹھا کر اس زور سے سعدی کے سر پر رسید کی کہ گھیرا حمائل ہو گیا۔ اسی حالت میں آپ باہر نکلے۔ مہمان نے پوچھا۔ حضرت! یہ گلے میں کیا ہے جواب دیا کہ بھائیصاحب ع

در گلویم سُنتِ پیغمبر است!

ایک دفعہ شیخ سعدی کاشغر کی جامع مسجد میں وضو کر رہا تھا۔ اتفاقاً وہاں ایک طالب علم مقدمہ زمخشری ہاتھ میں لئے پڑھ رہا تھا ضرب زید عمرواً شیخ نے کہا صاحبزادہ خوارزم و ختا میں صلح ہو گئی۔ مگر زید اور عمرو میں خصومت ہنوز باقی ہے۔ طالب علم نے ہنس کر شیخ کا وطن پوچھا۔ شیخ نے جواب دیا کہ خاک پاک شیراز۔ اُس نے کہا سعدی کا کلام یاد ہو تو سناؤ۔ شیخ نے فی البدیہہ کہا ؎

اے دل عشاق بدام تو صید
ما بتو مشغول و تو با عمرو زید

دوسرے دن شیخ کاشغر سے چل دیا۔ اُس طالب علم کو بعد میں کسی طرح معلوم ہو گیا کہ شیخ سعدی یہی ہیں۔ طالب علم بھاگتا ہوا شیخ کے پاس آیا اور کہنے لگا زہے نصیب جو حضور کی زیارت ہوئی۔ حضور چند روز شہر میں چل کر قیام فرمائیں تا کہ میں بھی خدمتگزاری سے مستفیض ہوں اور سعادت

دارین حاصل کردن" سعدی نے جواب میں یہ اشعار پڑھے ہے

بزرگے دیدم اندر کوہسارے قناعت کردہ از دنیا بہ غارے
چرا گفتم بشہر اندر نہ آئی کہ بارے بند از دل برکشائی
بگفت آنجا پریرویان لغزند چو گل بسیار شد پیلاں بلغزند

مجالس العشاق میں لکھا ہے کہ شیخ کی شیراز کے حمام میں حکیم نزاری قہستانی سے مُلاقات ہوئی۔ شیخ نے اپنے مکان پر بڑے تکلف سے حکیم کی ضیافت کی اور کئی دن مہمان رکھا۔ مگر جب حکیم کھانا کھاتا۔ باوجودیکہ کھانے بہت پُرتکلف اور نفیس ہوتے تھے۔ حکیم ناک بھوں چڑہاتا اور کہا کرتا ہائے دعوت خراسان جب شیخ مرحوم کو خراسان جانے کا اتفاق ہوا تو اوس نے کہا کہ آؤ اپنے قدیم یار حکیم نزاری سے بھی ملتے جاویں۔ اور یہ بھی دیکھیں کہ دعوت خراسان میں کیا شان ہے + شیخ نے حکیم کے ہاں تین وقت کھانا کھایا پہلے روز جو کھانا دسترخوان پہ آیا وہ سادی روٹی اور معمولی ترکاری تھی۔ دوسرے وقت بُھنے ہوئے پنیر کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ تیسرے وقت ایک گوشت کا اُبلا ہوا پارچہ اور خشکہ تھا۔ چلتے وقت شیخ نے ازروے مذاق کہا" ہائے دعوت شیراز" حکیم نے ہنس کر کہا جس طرح آپ نے میری ضیافت میں تکلفات کئے تھے اُس طرح مہمان بہت جلد بار خاطر ہوتا جاتا ہے۔ لیکن ہمارا طریقہ ایسا ہے کہ اگر تمام عمر رہے تو مہمان کا رہنا ناگوار نہیں ہوتا۔ شیخ نے اسبات کو تسلیم کیا" +

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ تبریز میں ایک جگہ شیخ علیہ الرحمتہ ہاتھ دھو رہا تھا۔ وہاں ایک مولوی کا گذر ہوا۔ جو کج بحثی میں لاجواب تھا۔ سعدی کی مسافرانہ صورت دیکھ کر مذاق کرنے لگا۔ سعدی سے پوچھا کہ "چہ میکنی" شیخ نے جواب دیا کہ "یدمیشویم" اسپر وہ بولا کہ "یدو بد تجنیس خطی دارد۔ شاید تو بدمیشوئی" سعدی تو بلا کا حاضر جواب تھا۔ اُس سے دریافت کیا کہ "تیرا نام کیا ہے"؟ اُس نے کہا "حاجی"! شیخ نے جوابدیا کہ "حاجی و چاچی میں تجنیس خطی

ہے۔ چاچی ایک قسم کی کمان ہے۔ کمان و کمان میں تجنیس خطی ہے۔ گمان شک کو کہتے ہیں۔ شک و سگ میں تجنیس خطی ہے۔ پس تو سگ ہے" اس طرح بہت بہت دیر تک اُسکی اور سعدی کی چھیڑ چھاڑ ہوتی رہی۔ آخر شیخ نے اسکو اپنی لفاظی اور جادو بیانی کے زور سے معقول کردیا اور جب اسکو معلوم ہوا کہ یہ سعدی شیرازی ہے تو اُس نے شیخ کے قدم لئے اور نہائت عجز و انکسار کیساتھ اپنی بیوقوفی کی معافی مانگی۔ یہ اور اس قسم کے کئی قصے زبانزد عام ہیں جنپر اعتبار مشکل ہو سکتا ہے ✤

ایک دفعہ دیار بکر میں شیخ علیہ الرحمتہ کا گذر ہوا۔ اور شیخ نے ایک دولتمند شخص کے مکان پر قیام کیا۔ رات کو جب کھانے سے فارغ ہوئے تو میزبان نے کہا کہ دنیا میں مجھے سب سے عزیز ایک پسر ہے۔ اُس سے زیادہ کسی شئے کو میں عزیز نہیں سمجھتا۔ یوں تو مجھے سب کچھ دے رکھا ہے۔ مگر بیٹا کہ زندگی کے باغ کا پھل ہے۔ مجھے ترس ترس کر ملا ہے۔ اس شہر میں ایک درخت ہے جو لوگوں کا زیارتگاہ ہے اور لوگ دُور دُور سے وہاں مرادیں مانگنے آتے ہیں چنانچہ میں بھی کئی راتیں اس درخت کے تلے جاگا اور خدا سے تضرع اور زاری کے ساتھ دعائیں مانگتا رہا ہوں۔ اب اخیر عمر میں خدا نے میری سُنی ہے اور یہ نور بصر جو میرے اندھیرے گھر کا اوجالا ہے۔ دیا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد شیخ کو کسی ضرورت سے میزبان کے پاس سے اُٹھکر دوسرے کمرہ میں جانے کا اتفاق ہوا تو اُس نے سُنا کہ وہ لڑکا جس پر باپ جان دیتا تھا اپنے یار آشناؤں میں بیٹھا کہہ رہا تھا کہ یار دعا مانگو کہ یہ بڈھا مرخرف جلد ڈہلک جائے تاکہ گنج بے قیاس ہاتھ آئے اور پھر خوب گلچھرے اڑائیں۔ چلو اُس درخت کے تلے چلکر دعا مانگیں کہ یہ پیر فرتوت جلد راہی مُلک بقا ہو ✤

جب سعدی نے یہ گفتگو سُنی تو اُس کے دلپر سخت صدمہ ہوا اور دُنیا کی بیوفائی کا نقشہ اسکی آنکھوں کے تلے پھر گیا۔ سچ ہے دنیا مطلب کی ہے ✤

شیخ سعدی نے گلستاں میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ دیار مغرب میں میرا گذر ایک مکتب میں ہوا۔ وہاں کا معلم تلخ گفتار۔ بدخو۔ مردم آزار اور ناپرہیزگار تھا اُسکی کریہہ صورت کو دیکھ کر لاحول پڑھنے کو دل چاہتا تھا۔ قرآن شریف وہ ایسی بُری آواز سے پڑہتا تھا کہ اُسے سُنکر بجائے رقت ہونے کے مسلمانوں کا دل اور سخت و سیاہ ہوتا تھا۔ مکتب کے لڑکوں کی روح اُسکی صورت دیکھ کر فنا ہوتی تھی۔ کسی لڑکے کو طپانچہ مارتا تھا۔ کسیکو شکنجہ چڑہاتا تھا۔ اہل محلہ نے اُسکی خباثت نفس سے تنگ آکر اُسے مکتب سے نکال دیا۔ اور اُسکی جگہ ایک فرشتہ خصلت نیک سیرت۔ مسکین مزاج۔ سلیم الطبع اور کم سخن شخص کو مقرر کیا۔ لڑکوں کو ایسا اُستاد خدا دے۔ ایسے شریر ہوگئے کہ مکتب سر پر اٹھا لیا۔ کتابیں پھاڑ ڈالیں۔ قلمیں اور دواتیں توڑ دیں۔ تختیاں اٹھا کر ایکدوسرے کے سر پر مارنے لگے۔ اہل محلہ ان اخوان الشیاطین سے ایسے تنگ آئے کہ ناچار معلم اول پھر بُلایا۔ چند روز کے بعد پھر جو میرا گذر اُس کوچہ میں ہوا۔ تو معلم اول کو دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی تو میں نے پوچھا کہ دوبارہ اس ابلیس کو فرشتوں کا معلم کس لئے بنایا ہے۔ وہاں ایک ظریف پیر مرد جو بڑا جہاندیدہ تھا کھڑا تھا۔ اُس نے جب مجھے حیران دیکھا تو ہنس کر کہا ؎

بادشاہے پسر بمکتب داد ۔۔۔ لوح سیمینش درکنار نہاد

بر سر لوح او نوشتہ بزر ۔۔۔ جور اُستاد بہ ز مہر پدر

ایکدفعہ کا ذکر ہے کہ شیخ مرحوم بلخ سے روانہ ہوا۔ راہ میں ڈاکوؤں کا بڑا خوف تھا۔ اِن کے قافلہ کے ساتھ ایک آدمی تھا جو اپنی قوت اور زور پر بہت نازاں تھا۔ اُسکی کمان اتنی سخت تھی کہ دس آدمی بھی اُسکو نہیں کھینچ سکتے تھے۔ نعرہ اس زور سے مارتا تھا کہ جیسے رعد گرجتا ہے اور اُسکے کھینچنے سے کان کے پردہ پھٹے پڑتے تھے۔ راہ میں جہاں کہیں جو درخت ملجاتا اُسے بیخ بُن سے اکھیڑ لیتا تھا۔ شیخ علیہ الرحمۃ نے قافلہ سالار سے کہا کہ خبردار رہنا

چاہیئے - قزاقوں کی آمد کی علامات نظر آتی ہیں - جوان نے جواب دیا کہ کچھ خوف کا مقام نہیں - میرے خوف سے شیر ژیان نیستان چھوڑ کر بھاگتے ہیں اور پیل دماں خود بخود رام ہوتے ہیں - قزاقوں کی کیا مجال ہے کہ میرے سامنے سے نمودار ہوئے اور ان کے قتل کا ارادہ کیا - شیخ نے کہا اے پہلوان کیا دیکھتا ہے - وہ دیکھ دشمن آ پہونچے - اگر مرد میدان ہے تو کچھ جوہر دکھا - قزاقوں کے دیکھتے ہی اس پہلوان کے ہاتھ پاؤں میں رعشہ پڑ گیا - تیر و کمان ہاتھ سے گر گئے - اور چہرہ کا رنگ زرد ہو گیا - سب سے پہلے شیخ نے اپنے بدن کے کپڑے اُتار کر چوروں کی نذر کئے - شیخ کی دیکھا دیکھی سب نے اپنا مال و متاع خون جگر پیکر ڈاکوؤں کے حوالے کیا اور جان بچائی ؎

شیخ کی سیاحت میں ریاستِ عمان کا واقعہ بھی عجیب ہے - ایک دفعہ شیخ علیہ الرحمتہ کا گذر عمان کی ولایت میں ہوا - اُس وقت شیخ عسرت اور تنگی کے ہاتھوں سخت مجبور تھا - کپڑوں کی دھجیاں اُڑی ہوئی تھیں - پیراہن میں ہزاروں پیوند لگے ہوئے تھے - ملازمان شاہی نے اسکو اجنبی صورت دیکھ کر حمام کرایا اور عمدہ لباس فاخرہ پہنا کر حضور شاہ میں پیش کیا بادشاہ نے دریافت کیا کہ سناؤ تم نے بہت دُور دراز کا سفر کیا ہے - تمہاری رائے میں میرے ملک کی حالت کیسی ہے - شیخ نے عرض کیا کہ قبلہ عالم - رعیت جتنی آسودہ اور خوشحال اس دیار میں دیکھی کہیں نہیں دیکھی - جہاں کہیں مجھے قیام کرنے کا اتفاق ہوا میں نے خرابات خراب اور مسجدیں آباد دیکھیں اور ہر جگہ میری بخاطر خواہ مہمان نوازی ہوئی - غرض شیخ مرحوم نے ایسی برجستہ تقریر کی کہ بادشاہ دل و جان سے شیخ کی حسن گفتار کا شیدا ہو گیا - رفتہ رفتہ شیخ نے بادشاہ کے مزاج میں ایسا دخل پایا کہ خلوت و جلوت میں موجود رہنے لگا - بادشاہ نے شیخ کو ہر پہلو سے آزمایا اور اس عقل کے کھرے میں کسی طرح کا کھوٹ نہ پایا - ایک دن دربار عام کر کے شیخ کو خلعت وزارت بخشا اور اپنا دستور معظم مقرر

کیا۔ جو رفتہ رفتہ کُل کاروبار کے سیاہ و سفید کا مالک بنگیا۔ وزیر سابق کو اسبات سے سخت رشک و حسد ہوا اور وہ اسبات کے درپئے ہوا کہ کسی نہ کسی طرح سے کوئی نہ کوئی عیب لگا کر اُسکو شاہی سے گرائے۔ مگر شیخ زمانہ دیدہ اور سرد و گرم چشیدہ تھا اُسنے کبھی کوئی کام ایسا نہ کیا۔ جس سے اُسکو گرفت کا موقعہ ملتا۔ اسی بادشاہ کے دو پریچہرہ غلام آسمان حسن و جمال کے آفتاب و ماہتاب تھے۔ شیخ جو ہمیشہ سے حُسن پرست تھا۔ اُن کو بہت عزیز رکھتا تھا اور اکثر اُن کو اپنے روبرو بٹھائے رکھتا تھا۔ اس کے دُشمن جو ہر وقت تاک میں لگے رہتے تھے۔ اس بات کے سرہو گئے اور پر کا کوّا اور تنکے کا پہاڑ بنا کر کھڑا کر دیا۔ جب بادشاہ کو خبر لگی تو اُسے سخت غصہ آیا۔ مگر وہ آدمی بڑا دانا تھا۔ اُس نے دل میں سوچا کہ یہ اُسکے دشمنوں کی افترا پردازی معلوم ہوتی ہے۔ جبتک میں اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں تبتک اعتبار نہ کرنا چاہئے۔ غرض اُس دن سے بادشاہ ان تینوں کی حرکات اور سکنات پر خفیہ نظر رکھنے لگا۔ اتفاقاً ایک دن دربار میں تمام شخص حاضر تھے۔ ناگاہ شیخ نے نظر اُٹھا کر ایک غلام کیطرف دیکھا۔ غلام بھی زیر لب مسکرایا۔ اس سے بادشاہ کو یقین ہو گیا کہ ضرور کچھ دال میں کالا کالا ہے۔ یہ بادشاہ نہایت رحمدل تھا۔ باوجودیکہ اپنی آنکھوں سے اُسنے شیخ کی اشارہ بازی دیکھی تھی مگر ضبط کیا۔ اور نہایت آہستگی کیساتھ شیخ سے کہا۔ تجھکو میں نے دانا سمجھا تھا۔ مجھے یہ اُمید تھی کہ تو دیانتداری سے ہر ایک کام کو انجام دے گا افسوس مجھے یہ خبر نہ تھی کہ ظاہر و باطن تیرا یکساں نہیں ہے۔ ظاہر میں تو سنو ہے مگر باطن میں پیتل سے بدتر۔ ظاہر میں تو پارسا اور پرہیزگار ہے اور باطن میں شوخ۔ بیحیا۔ اور سیہ کار ہے۔ آج مجھے تحقیق ہو گیا کہ تو اس بلند مرتبہ کے لایق نہیں ہے۔ مگر خیر اسمیں تیرا قصور نہیں۔ جو کچھ خطا ہے وہ میری ہے نہ میں بدگہر کی پرورش کرتا نہ میرا خانہ سے پالا پڑتا۔ جب سعدی نے بادشاہ کو بہت برہم دیکھا تو نہایت ادب سے عرض کی کہ حضور کو کسی میرے دشمن نے بدظن کر دیا ہے۔ در اصل

میرا دامن آلایش جرم و گناہ سے پاک ہے۔ بادشاہ نے غصہ ہوکر جواب دیا کہ کیوں ناحق باتیں بناتا ہے۔ وزیر سابق سے مجھے تیری فیلسوفیاں سب پہنچ چکی ہیں اور اُن کی تصدیق میں نے اپنی آنکھ سے کرلی ہے۔ شیخ نے عرض کی کہ وزیر جو کچھ بُرا کہے بجا ہے۔ حضور نے اسکی جگہ مجھے مرحمت کی ہے۔ حسد اور بغض کی آگ اُسے جلائے بغیر کب رہ سکتی ہے ؎

شور بختاں بہ آرزو خواہند　　مقبلاں را زوال نعمت و جاہ
گر نہ بیند بروز شپرہ چشم　　چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

حضور نے شاید ابلیس کی حکایت نہیں سُنی۔ کہتے ہیں ایک شخص نے ابلیس کو خواب میں دیکھا تو نہایت حسین پایا۔ اُس نے شیطان بے ایمان کو ایسا پاکیزہ طلعت دیکھ کر بہ تعجب تمام پُوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ لوگوں نے تیری صورت نہایت سہمگین۔ ڈراونی اور بھیانک بیان کی ہے اور حمّام میں بھی تیری تصویر نہایت مکروہ کھینچی ہے۔ اور اسوقت تجھے میں بالکل اسکے خلاف دیکھتا ہوں۔ شیطان ہنسا اور کہنے لگا۔ میرا اسمیں کیا قصور ہے تصویر کا مصوّر وہ ہے جسکی بنیاد میں نے بہشت سے اُکھیڑی تھی۔ بس حضور میرا بھی بعینہٖ وہی معاملہ ہے۔ میں نے دراصل کوئی گناہ نہیں کیا۔ مگر وزیر سابق جسکی جگہ حضور نے مجھے ممتاز فرمایا ہے۔ بر سر پرخاش ہے اور وہ ضرور میری طرف سے حضور کے کان بھرتا رہیگا ؂

بادشاہ نے برافروختہ ہوکر جوابدیا۔ اے مجرم۔ تو اپنی لسّانی اور زبان درازی سے کبھی بری نہیں ہوسکتا میں نے تجھے بچشم خود اُس غلام ناکام سے آنکھیں لڑاتے دیکھا۔ سعدی نے ہنس کر جوابدیا۔ بس یہی قصور ہے۔ تو اس سے مجھے انکار نہیں سچ کو کبھی آنچ نہیں آتی۔ قبلۂ عالم۔ میں اِن دونوں برخورداروں کو ضرور دوست رکھتا ہوں۔ اسلئے کہ خدا نے انہیں حُسن ظاہری و باطنی عنایت کیا ہے۔ جب میں ان کی پاکیزہ صورت دیکھتا ہوں تو مجھے اپنا زمانہ یاد آتا ہے کہ میرا

بھی اسیطرح پھول ساچہرہ تھا۔ میرا بھی اسی طرح بلور سا شفاف بدن تھا۔
میرے بھی اسیطرح آبنوس سے سیاہ بال تھے۔ میرے بھی ایسے ہی موتیوں کی
طرح سفید دانت تھے۔ آج وہ دن ہے کہ بال میرے برف سے زیادہ سفید
ہیں۔ چہرہ پر جھریاں پڑ رہی ہیں اور دانتوں میں کھڑکیاں نظر آ رہی ہیں۔
اے عادل بادشاہ۔ کیوں نہ ان نوجوانوں کیطرف مَیں حسرت کیساتھ دیکھوں
یہ مجھے میرا گذرا ہوا زمانہ جو میں نے حالت لااوبالی میں ضایع کیا ہے یاد دلاتے ہیں
بادشاہ کو اس مؤثر تقریر سے ایک رقت سی طاری ہوگئی اور اُس نے شیخ
کی عقل و دانش پر ہزار آفرین کی ؎

جس قدر تنگی عسرت اور مصیبت شیخ نے سفر میں اُٹھائی۔ اسکا برداشت کرنا
شیخ کا ہی کام تھا۔ کوئی اَور ہوتا تو کبھی جانبر نہو سکتا۔ اسمیں کچھ کلام نہیں
کہ شیخ نے سفر سے بہت وسیع تجربہ حاصل کیا۔ مگر جب ہم اُسکی مصیبتوں کے
ساتھ اندازہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ تجربہ کسی طرح شیخ کو سستا
نہیں پڑا۔ شیخ نے اپنے ذاتی تجربہ کے بعد سفر کی نسبت یہ رائے قائم کی ہے
کہ سفر پانچ قسم کے اشخاص کو زیبا ہے:۔

اول۔ دولتمند کو ؎

منعم بکوہ و دشت و بیاباں غریب نیست
ہر جا کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت

دوم۔ عالم فاضل کو جو فصیح و بلیغ ہو ؎

وجود مردم دانا مثال زر طلا است
کہ ہر کجا کہ رود قدر و قیمتش دانند

سوم۔ خوبصورت کو ؎

شاہد آنجا کہ رود عزت و حرمت بیند
ور برانند بقہرش پدر و مادر خویش

برطاؤس در اوراق مصاحف دیدم
گفتم ایں منزلت از قدر تو مے بینم بیش
گفت خاموش کہ ہر کس کہ جمالے دارد
ہر کجا پائے نہد دست بدارندش پیش

چہارم:- خوش آواز کو

چہ خوش باشد آواز نرم و حزیں
بگوش حریفان مست صبوح
بہ از روئے زیبا است آواز خوش
کہ ایں حظ نفس است و آں قوت روح

پنجم:- صاحب ہنر کو یعنے اہل پیشہ کو

گر بغریبی رود از شہر خویش
سختی و محنت نبرد پارہ دوز
ور بخرابی فتد از ملک خویش
گرسنہ خسپد ملک نیم روز

چوتھا باب

مراجعت اور وفات

جب قتلغ خان ابوبکر سعد زنگی کی جگہ جلوہ آرائے سریر سلطنت ہوا تو شیخ نے بقول پروفیسر اپنی تھی ۱۲۵۵ء میں وطن کا رُخ کیا۔ قتلغ خان نے فارس کو جہاں آفات و حوادث کے فتنہ برپا ہو رہے تھے۔ اپنی دانشمندی اور حسن تدبیری سے وادئ ایمن بنا دیا تھا۔ شیراز کی خانقاہیں۔ عبادتخانے۔ مدرسے اور مسجدیں جو

اتابک ازبک پہلوان اور سلطان غیاث الدین کے حملوں اور تاخت وتاراج سے ویران ہوگئی تھیں۔ اسکے عہد میں آباد ہوگئیں۔ اس نے شیراز کے مدارس اور مساجد کے لئے گانوں اور جاگیریں وقف کیں۔ شفا خانے بنوائے اور حاذق طبیب ان پر مقرر و مامور کئے۔ اس امر کی تائید شیخ کی کلام سے بھی ہوتی ہے چنانچہ اسکا وہ قطعہ جو اُس نے مراجعت کیوقت کہا۔ مفصلہ ذیل ہے ؎

ندانی کہ من در اقالیم غربت — چرا روزگارے بکردم درنگی
بدر رفتم از تنگ ترکاں کہ دیدم — جہاں درہم افتادہ چوں موئے زنگی
ہمہ آدمی زادہ بودند لیکن — چو گرگاں بخونخوارگی تیز چنگی
درون مردمے چوں ملک نیک محضر — برون لشکرے چوں ہزبران جنگی
چو باز آمدم کشور آسودہ دیدم — پلنگاں رہا کردہ خوئے پلنگی
چناں بود در عہد اول کہ دیدم — جہاں پُر ز آشوب و تشویش و تنگی
چنیں شد در ایام سلطان عادل — اتابک ابوبکر بن سعد زنگی

جب شیخ شیراز میں واپس آیا تو اُس نے دیکھا کہ اتابک ابوبکر میں یہ سخت عیب ہے کہ وہ علماء اور فضلاء سے سخت بدگمان رہتا ہے اور جاہل فقیروں اور خانہ بدوش درویشوں کی حد سے زیادہ قدر و منزلت کرتا ہے۔ چنانچہ اسی بدگمانی کے باعث اُس نے امام صدر الدین محمود۔ امام شہاب الدین تودہ پشتی مولٰنا عز الدین وغیرہم کو طرح طرح کے عذاب اور زجر و تہدید سے جلا وطن کردیا تھا۔ قاضی عز الدین علو جیسے سندی سید کا مال و املاک ضبط کرلیا تھا اپنے والد بزرگوار کے وزیر اعظم عمد الدین اسعد کو مع اُسکے فرزند تاج الدین محمد کے قلعہ میں قید کردیا تھا اور وہ بیچارہ قید خانہ میں مرچکا تھا۔ یہ حال دیکھ کر شیخ نے مناسب سمجھا کہ ایسے بادشاہ کے زمانہ میں اس سے زیادہ ملنا قرین مصلحت نہیں چنانچہ وہ ہیچ آفت نرسد گوشۂ تنہائی را کے اصول پر کاربند ہوا۔ دربار میں بہت ہی کم آیا جایا کرتا تھا +

اسی ابو بکر کی نسبت تاریخ وصاف میں ایک عجیب روائیت درج ہے - کہتے ہیں کہ ایک نیم ملا خطرہ ایمان فضیلت مآب بن کر ابو بکر کے دربار میں آیا - اتابک نے نہائت تعظیم و تکریم کی اور نماز کیوقت اُسے امام بنایا - نیم مُلا نے قرأت میں کئی غلطیاں کیں - جس سے اتابک بہت خوش ہوا اور اُسکو انعام و اکرام سے مالا مال کر کے رخصت کیا - شیخ کی معاودت وطن کے کچھ عرصہ بعد خواجہ علاء الدین نے شیخ کو پچاس ہزار دینار دئیے اور اس امر پر مجبور کیا کہ وہ ان کو قبول کر کے اپنی زندگی میں ہی اپنا مقبرہ بنالے - شیخ نے ہرچند اُن کے لینے سے انکار کیا - مگر اُس نے منت وسماجت سے اسکو راضی کر لیا چنانچہ شیخ نے اپنی زندگی میں اُس رقم سے ایک عالیشان خانقاہ پہاڑ کے نیچے جو کہ گوشہ شمال و مغرب میں شہر سے ملا ہوا ہے بنوائی - اور آخر عمر تک وہیں عزلت نشین رہا +

شیخ نے وطن میں آکر مکروہات دنیاوی کو یکلخت ترک کر دیا اور اس لئے ہر مقام میں دن رات خیالات تصوف میں مستغرق رہنے لگا - جس قدر اسکا خیال طالب علمی کے زمانہ میں تصوف کیطرف سے ہٹ گیا تھا - اسیقدر آخر عمر میں مائل ہو گیا - چنانچہ دُور دُور سے لوگ اور اہل علم حقائق و معارف کے دقایق و غوامض پوچھنے آتے اور اس کے فیضان صحبت سے مستفیض ہوتے تھے +

آخر اس صاحب کمال کا بھی پیمانہ عمر لبریز ہوا اور بقول پروفیسر آتی ۱۲۹۲ء میں جمعہ کے دن ماہ ستمبر مطابق شوال سنہ ۶۹۱ ہجری میں شیخ علیہ الرحمتہ کا مرغ روح قفس عنصری سے عالم جاودانی کیطرف پرواز کر گیا - کسی شاعر نے تاریخ وفات اسطرح کہی ہے ؎

دُر بحر معارف شیخ سعدی	کہ در دریائے معنے بود غواص
مہ شوال روز جمعہ اوجش	بداں درگاہ رفت از روئے اخلاص
یکے پرسید سال فوت گفتم	ز خاصاں بود ازاں تاریخ شد خاص

۱۶۸۶ء میں ولیم ترنیکلن انگلستان کا ایک سیاح فارس گیا تھا اُس نے

شیخ کی مزار کا نقشہ اپنے سفرنامہ میں بدیں الفاظ کھینچا ہے:-

"شیخ کا مزار مقام دلکشا سے ایک میل جانب شرقی پہاڑ کے نیچے واقع ہے عمارت اسکی بہت بڑی اور مربع ہے اور قبر سنگین بنی ہوئی ہے۔ اسکا طول چھ فیٹ اور عرض اڑہائی فیٹ ہے۔ قبر کے تمام ضلعوں پر کچھ عبارت قدیم خط نسخ میں کندہ ہے۔ جس میں شیخ کا اور اُسکی تصنیفات کا حال درج ہے قبر ایک سیاہ رنگ کے چوبی قبرپوش سے جسپر سُنہری کام ہو رہا ہے۔ ڈھکی ہوئی ہے اور اسپر شیخ مرحوم کے دو اشعار خط نستعلیق میں لکھے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ مفصلۂ ذیل اشعار ہیں ؎

الا اے کہ بر خاک ما بگذری — بخاک عزیزاں کہ یاد آوری

کہ گر خاک شد سعدی اور اچہ غم — کہ در زندگی خاک بود است ہم

جب اس قبرپوش کو ہٹاتے ہیں تو قبر کا تعویذ دکھائی دیتا ہے۔ اکثر اہل اسلام جو اطراف وجوانب سے شیخ کی مزار پر آتے ہیں۔ وہ پھول اور دیگر اقسام کے چڑہاوے چڑہاتے ہیں اور زائرین کے مطالعہ کے لئے ایک نسخہ شیخ کی کلیات کا نہایت خوشخط لکھا ہوا مزار پر رکھا رہتا ہے۔ مقبرہ کی دیواروں پر بہت فارسی اشعار لکھے ہوئے ہیں جو لوگ دور دست مقامات سے وہاں آئے ہیں۔ یہ اشعار اُنہوں نے لکھے ہیں۔ شیخ کے مقبرہ کی عمارت اب روز بروز گرتی جاتی ہے اور اگر اب اسکی خبر جلد نہ لی گئی تو وہ بالکل کھنڈر ہو جاوے گی۔ نہایت افسوس کی بات ہے اور زمانہ کا عجیب انقلاب ہے کہ کسی شخص کو اُسکی مرمت کرانے کا خیال نہیں ہے۔ اس مقبرہ کے متصل اکثر دیندار وں اور بزرگوں کے مزار ہیں جنہوں نے اپنی خواہش سے یہاں دفن ہونا چاہا ہے"۔

سر گور اوسلی صاحب لکھتے ہیں کہ سنہ ۱۸۱۱ء کے شروع میں جبکہ جارج سوم بادشاہ انگلستان کی طرف سے میں بعہدہ سفارت فتح علیشاہ قاچار کے پاس پیغام لیکر طہران کو جاتا تھا۔ اُس وقت کئی مہینے شیراز میں میرا مقام رہا

جبتک میں وہاں رہا - اکثر شیخ کے مزار پر جاتا تھا - مسٹر فرنکلن کے لکھنے کی تصدیق شیخ کے مزار پر جاکر ہوتی ہے - اُسکی قبر حقیقت میں بالکل بوسیدہ ہوگئی ہے - اور تمام عمارت عنقریب منہدم ہوا چاہتی ہے - باغ اور درخت جو زمانہ سابق میں وہاں تھے - ان کا اب نام ونشان تک باقی نہیں رہا میرے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر تھوڑا سا روپیہ خرچ کیا جاوے تو اس مقبرہ کی مرمت بخوبی ہو سکتی ہے اور میری حسن عقیدت نے جو کہ میں شیخ اور اُس کے کلام کے ساتھ رکھتا تھا مجھ کو آمادہ کیا کہ اپنے پاس سے روپیہ خرچ کرکے شیخ کے مقبرہ کی مرمت کرادوں مگر شاہ ایران کا پانچواں بیٹا حسین علی مرزا جو اُس وقت فارس کا گورنر تھا اُس نے مجھ کو اس ارادہ سے باز رکھا اور نہایت سرگرمی سے کہا کہ میں اس مقبرہ کی مرمت کرادونگا - آپ کیوں اسقدر تکلیف اُٹھاتے ہیں - اُس نے کہا کہ میں شیخ کے مزار کی مرمت اسی اسلوب اور عمدگی سے کرادونگا جیسیکہ کریم خاں زند نے خواجہ حافظ کے مزار کی کرائی تھی - لیکن افسوس ہے کہ اُس نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا*

شیخ کا مذہب جیسا کہ اُسکی کلام سے ثابت ہوتا ہے تسنن تھا - قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المومنین میں لکھا ہے کہ اُس کا مذہب شیعہ تھا - مگر یہ غلط ہے اُس کے سُنّت جماعت ہونے میں ذرہ بھر بھی کلام نہیں ہے - سرگور اوسلی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ شیخ مرحوم نے شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ سے بیعت کی تھی - یہ بات بھی مبالغہ سے خالی معلوم نہیں ہوتی - کیونکہ شیخ سعدی کی ولادت سے پہلے حضرت عبد القادر جیلانی ۵۶۱ھ میں وفات پا چکے تھے بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ وہ شیعہ بے تبرا اور سُنی بے تعصب تھا * مولوی حالی لکھتے ہیں کہ ہم ایسے شخص کو جو مقبول فریقین تھا ایک گروہ کا مقبول اور دوسرے گروہ کا مردود نہیں بنانا چاہتے - بڑی بات یہ ہے کہ وہ بے تعصب تھا اور یہی اُسکے ناجی ہونے کی دلیل ہے *

شیخ مرحوم ایک سیدھا سادہ مسلمان تھا - وہ دکھاوے اور ظاہرداری سے

کو سوں بھاگتا تھا۔ شیخ جانتا تھا کہ میں بشر ہوں اور اقتضائے بشریت سے خالی نہیں اسکو اپنی تقدس مآبی جتانے کے لئے طرح طرح کے بہروپ بھرنا نہیں آتا تھا اس کا اصول یہ شعر تھا ؎

کلید در دوزخ است آں نماز
کہ در روئے مردم گذاری دراز

پانچواں باب

شیخ کی شہرت اور لوگوں کی عقیدت

ابھی شیخ مرحوم مدرسہ ہی میں تھا کہ اُسکی فصاحت وبلاغت کا شُہرہ کاشغر تک جو شیراز سے تخمیناً سولہ سو میل کے فاصلہ پر ہے پہنچ گیا۔ رفتہ رفتہ اسکی شہرت نے اُسکی زندگی ہی میں تمام ایران۔ ترکستان۔ تاتار۔ ہندوستان وغیرہ کو تسخیر کرلیا اور آخرکار نوبت یہاں تک پہنچی کہ اُسکا کلام ایشیا۔ یورپ اور آفریقہ میں ترجمہ ہو کر نہائیت قدر اور منزلت کے ساتھ دیکھا گیا۔ جو عام قبولیت شیخ کے کلام نے حاصل کی ہے۔ وہ ہماری رائے میں تمام دُنیا میں کسی مصنف یا شاعر کو نصیب نہیں ہوئی ٭

شیخ مرحوم کی اس غیر معمولی شہرت کا باعث یہ ہے کہ وہ ایک انوکھا صاحب نظر تھا۔ اسکو نظم ونثر دونوں میں اس درجہ کی دسترس تھی کہ اُسکی تحریر فوراً دیکھنے اور سُننے والوں کے دل پر اپنا تسلط جما لیتی تھی۔ وہ نظم ونثر دونوں کا جامع تھا۔ اُس کے اشعار سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بےنظیر ناظم تھا اور اُسکی نثر سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس جیسا نثار نہ کوئی ہوا ہی نہ ہوگا۔ تاریخ کا ذکر آئے تو وہ ایک صاحب نظر مورخ تھا۔ تفسیر کا موقع آئے تو وہ ایک باخبر مُفسر تھا۔

علم ادب کا بیان ہو تو وہ ایک فاضل ادیب تھا۔ فلسفہ کا دہیان آوے تو وہ اچھا خاصہ فلسفی تھا۔ فقہا اور قضاۃ کے مجمعوں میں حُسن فصاحت کے ساتھ وہ گُل افشانی کرتا تھا جو اُسی کا حصّہ تھی۔ اور تصوف میں تو ایک عالم خاص تھا کہ وحدت وجود اور وحدت شہود میں علم اشراق کا پرتو دے کر کبھی ابو سعید ابو الخیر تھا اور کبھی محی الدین عربی +

شیخ میں ایک نرالی بات یہ تھی کہ صاحب قلم وزبان تھا۔ جسقدر اسکی تحریر میں زور تھا۔ اُس سے دس گُنا اُسکی تقریر میں شور تھا۔ اس عذب البیانی اور طلیق اللسانی سے وہ بحث ومناظرہ کی مجالس میں اپنا رنگ جما لیتا تھا۔ کہ اُسکی رائے سب پر غالب رہتی تھی +

شیخ کی جادو بیانی کا مختلف ممالک میں اسقدر چرچا ہے کہ اُس کا کلام ضرب الامثال ہو گیا ہے۔ نصیحت کے وقت لوگ جس ترّاقے سے شیخ مرحوم کے اشعار پڑھتے ہیں اُور کسی شاعر کے نہیں پڑھتے۔ خواہ کیسا ہی محل یا موقع ہو۔ اس باکمال کے اشعار برمحل اور مناسب موقع اُس کی تصنیف کے بے بہا ذخیرہ میں ملتے ہیں۔ یہ بھی ایک وجہ ہے کہ جس کے باعث جمہور نے اسکی کلام کو زیادہ تر پسند کیا۔ شیخ نے ایک زمانہ دیکھا تھا۔ اُس کو عوام النّاس کی ضروریات روزانہ معاملات کا کما حقہ علم تھا۔ اسلئے جو وہ کہتا تھا وہ حسب حال اور نہایت پھبتی ہوئی کہتا تھا۔ جو بات حسب حال اور مناسب موقع معلوم ہو۔ وہ بغیر بحث وحجت کے خود بخود دلوں پر نقش ہو جاتی ہے۔ پس یہی وجہ ہے کہ شیخ علیہ الرحمتہ نے عالمگیر شہرت حاصل کی اور اُسکا کلام اطراف عالم میں پھیلگیا +

شیخ علیہ الرحمتہ نے طبعیت انسانی کا خاص طور پر مطالعہ کیا تھا۔ اس لئے وہ خاص طبعیت سے کما حقہ آگاہ تھا۔ اور لوگ اس ملکہ کے باعث اُسے ترجمان اسرار اور لسان الغیب کہتے تھے +

شیخ کی مقبولیت کلام کی نسبت ایک روایت زبان زد خلائق ہے کہ ایک بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ آسمان کے دروازہ یکایک کھل گئے اور فرشتے نور کے طبق لیکر زمین پر نازل ہوئے۔ اس بزرگ نے حیران ہوکر دریافت کیا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ فرشتوں نے جواب دیا کہ شیخ کی ایک بیت جناب الٰہی میں مقبول ہوئی ہے۔ اور یہ اُس بیت کا صلہ ہے۔ وہ بیت یہ ہے ؎

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

اس عجیب ماجرا کے سُنتے ہی وہ بزرگ خواب سے بیدار ہوگئے اور اُسیوقت شیخ مرحوم کے عزلت خانہ پر یہ مژدہ جاں پرور سُنانے گئے۔ وہاں دیکھا کہ شیخ علیہ الرحمتہ چراغ جلائے بیٹھے ہیں اور جھُوم جھُوم کر کہہ رہے ہیں ؎

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

یہ حکایت نہایت مشہور ہے۔ چنانچہ اسی حکایت پر فیضی کے مخالفین نے ایک دلچسپ مضمون تراشا ہے کہ شیخ فیضی نے سُنا تھا کہ شیخ علیہ الرحمتہ کو ایک شعر کے صلہ میں اولیا کا رتبہ مِل گیا تھا۔ اُنھوں نے کہا کہ آؤ ہم بھی ایک برجستہ شعر کہہ کر ولی بن جاویں۔ چنانچہ نل دمن کی تمہید لکھتے لکھتے یہ شعر کہا ؎

در ہر بُن مو کہ مے نہی گوش
فوارۂ فیض اوست در جوش

یہ شعر اُن کو بہت پسند آیا اسکو بار بار جھُوم جھُوم کر پڑھتے تھے اور شیخ مرحوم کی طرح صلہ کی توقع میں آسمان کی طرف دیکھتے جاتے تھے۔ جب کئی بار پڑھا اور کوئی فرشتہ نور کے طبق لیکر نہ آیا تو ایک مرتبہ بیقرار ہوکر اور آسمان کی طرف مُنہ اُٹھاکر یہ شعر بلند آواز سے پڑھا۔ اتفاقاً ایک چیل منڈیر

پر بیٹھی ہوئی تھی۔ فیضی کی آواز سُن کر اُڑی اور ہنگام پرواز بیچال چھوڑی جو فیضی کے مُنہ پر آکر پڑی۔ فیضی جھنجھلایا اور کہا بس معاف رکھئے شعر فہمی عالم بالا معلوم شد +

یہ مضمون غالباً عبد القادر بداونی کا تراشا ہوا ہے اور اسپر لوگوں نے اوسکے حاشیہ یہ چڑھایا ہے کہ جب رومال سے فیضی مُنہ کو صاف کر رہے تھے تو پڑوس سے کسی نے یہ شعر پڑھ دیا؎

جو کی تقلید خسرو کی تو کار کو بکٹ بگڑا۔
چلا جب چال کو آ ہنس کی اُسکا چلن بگڑا

اور جب عُرفی شیرازی کو خبر ہوئی تو اُس نے ہنس کر کہا "آنچہ انسان میسکند بوزینہ ہم" +

شیخ کی نسبت کسی بزرگ کا خواب دیکھنا کسی طرح عقل یا نیچر کے خلاف نہیں ہے خواب کا ایک حد تک سچا ہونا اور اُنمیں معمولی باتوں کا غیر معمولی صورت میں نظر آنا ایک ایسا مسلم امر ہے کہ آجکل کے فلسفی بھی اُس سے انکار نہیں کر سکتے شیخ کا شہرہ اُن دنوں میں عوج عیوق پر تھا۔ شیخ ہر طرف سے مرجع خلایق ہو رہا تھا۔ اُسکا علم و فضل۔ اُسکی فقر و درویشی۔ شاعری۔ لطیفہ گوئی اور بذلہ سنجی ایک عالم میں مشہور تھی۔ جس کے باعث اکثر بزرگوار اُسکو نظر حسد و رشک سے دیکھتے تھے اور اگر ایک بزرگ نے ایسی حالت میں جبکہ شیخ کی نسبت حسن ظن اُس کے دل میں غالب تھا۔ مذکورہ بالا واقعہ خواب میں دیکھ لیا ہو تو ذرہ بھی تعجب نہیں ہے +

البتہ فیضی کی نسبت جو روائیت بیان کیجاتی ہے وہ سراسر پوچ ولچر ہے اور اُسکے دشمنوں کی من گھڑت کہانی ہے اور اسکا آخری حصّہ تو بالکل بے سروپا ہے اور جو شعر بیان کیا جاتا ہے کہ کسی نے پڑوس میں اتفاقاً پڑھ دیا وہ آتش کا مشہور شعر ہے۔ جو فیضی سے بہت عرصہ بعد ہوا۔ کہاں فیضی اور

کہاں خواجہ حیدر علی آتش - وہی مثل ہوئی ؎

چہ خوش گفت است سعدی در زلیخا

الا یا ایہا الساقی ادر کاساً و ناولہا

غرض شیخ نے وہ شہرت اور بلند آوازگی حاصل کی جو کسی مصنف کو آجتک نصیب نہیں ہوئی چنانچہ خود شیخ نے گلستان کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ "ذکر جمیل سعدی کہ در افواہ عوام اُفتاد - وصیت سخنش کہ در زمین بسیط رفتہ" اُسکا وجود خالص سونا سمجھا جاتا تھا اور جہاں کہیں وہ جاتا تھا - لوگ اُس کے پا انداز میں آنکھیں بچھاتے تھے +

چونکہ شیخ کی تصنیف میں سرتاپا اخلاق اور تہذیب نفس کے مضامین مندرج ہیں اسلئے لوگوں کو اُس سے ایک خاص عقیدت اور ارادت پیدا ہوگئی تھی اور بڑے بڑے امراء اور اعیان سلطنت اُسکی زیارت کو سعادت دارین اور اُس کے کلام کو تبرک سمجھتے تھے +

شیراز میں جو شخص حاکم ہوتا تھا وہ شیخ کی نہایت تعظیم و تکریم کرتا تھا - اور ہمیشہ ادب سے پیش آتا تھا - سر دار انکیانو جسکو شیخ نے اپنی کلیات میں پند و موعظت کا مخاطب ٹہرایا ہے - شیخ کی حد سے زیادہ تعظیم و تکریم کیا کرتا تھا - ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ شیراز میں سپاہیوں نے شیخ کے بھائی پر جو بقالی کی دوکان کیا کرتا تھا - اُسکی دوکانداری کے متعلق کچھ جبر و تعدی کی - شیخ کو بھی اس معاملہ کی خبر ہوئی - اُس وقت شیخ حضرت ابو عبد اللہ ابن حنیف کی خانقاہ پر مجاوری کرتا تھا - اُس نے ایک قطعہ شعر شکایت لکھا - جس میں اہل فوج کی شکایت اور اپنے بھائی کی دوکانداری اور بینوائی کا حال تھا - وزیر نے فوراً اس امر کا تدارک کیا اور خود شیخ کیخدمت میں حاضر ہو کر معافی چاہی اور ایکہزار درم پیش کرکے عرض کی کہ یہ حقیر رقم بطور ہرجانہ آپ کے بھائی کے لئے ہے - شیخ نے لیکر بھائی کے پاس بھیجدی +

شیخ کی عقیدت اور ارادت ممالک ایران تک ہی محدود نہ تھی۔ بلکہ شام اور عراق عجم اور ہندوستان تک پھیلی ہوئی تھی۔ انہ شیخ کا یہ دستور تھا اور شیوہ تھا کہ وہ بیباکانہ نصیحت کرتا تھا۔ اس بات کی اُسکو کچھ پرواہ نہ تھی کہ اُسکی سچی بات کسیکو کڑوی لگتی ہے یا میٹھی۔ بقول علی بن احمد جس طرح شیخ آزادانہ طور پر پند و موعظت بادشاہوں کو کرتا تھا۔ وہ آجکل کے زمانہ کے مشایخ و علماء ایک نقال یا قصاب کو بھی نہیں کرسکتے۔

سردار انکیا نو جو اباقا خاں کی طرف سے صوبہ فارس کا صوبہ دار تھا۔ اور جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے ایک بارعب وداب مغل تھا۔ جسکی ہیبت اور دبدبہ سے بڑے بڑے بااختیار حاکموں کا زہرہ آب ہوتا تھا۔ شیخ کی کلام کو ہمیشہ تعظیم اور تکریم کی نگاہوں سے دیکھتا تھا اور اسکی تلخ نصیحتوں کو شہد سے زیادہ شیریں سمجھتا تھا۔ چنانچہ اس امر کی تائید میں ہمنے دوسرے باب میں لکھا ہے کہ شیخ جامع مسجد دمشق میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی مرقد منور پر معتکف تھا عرب کا ایک بادشاہ جو ظلم اور بے انصافی میں مشہور تھا۔ مسجد میں آیا اور نماز سے فارغ ہوکر شیخ کے پاس گیا اور کہا مجھکو ایک خوفناک غنیم کا اندیشہ ہے آپ میرے حق میں دعا کریں کہ مظفر و منصور ہو جاؤں۔ شیخ نے کہا۔ کمزور رعیت پر رحم کرتا کہ زبردست دشمن سے محفوظ رہے ؎

ہر آنکہ تخم بدی کشت و چشم نیکی داشت
دماغ بیہودہ پخت و خیال باطل بست

ایک دفعہ عراق عجم میں ایک بادشاہ نے شیخ سے کہا کہ میرے حق میں دعائے خیر فرمائیے۔ شیخ نے کہا یا خدا اس کی جان لے لے۔ اُس نے حیران ہوکر پوچھا یہ آپ خدا یہ کیا دعا ہے۔ شیخ نے کہا یہی دعا ہے تیرے حق میں دعا ہے ؎

ظالمے را خفتہ دیدم نیم روز
گفتم این فتنہ است خوابش بُردہ بہ

شیخ کے دل میں بنی نوع کی خیر خواہی کا جوش اسقدر بھرا ہوا تھا کہ وہ سیاست سلطنت کو بھی بالائے طاق رکھ کر صاف صاف بادشاہوں اور امیروں کو کھری کھری سُنا دیتا تھا۔ اور چونکہ اُسکی نیت میں نیکی ہوتی تھی اُسکی تلخ گفتگو سے بادشاہ اور حاکم معتقد اور ارادتمند بنتے تھے +

اتابک ابوبکر میں سخت عیب تھا کہ وہ علماء و فضلا سے بدگمان رہتا تھا اور جاہل درویشوں اور خانہ بدوش فقیروں سے بہت عقیدت رکھتا تھا۔ اس لئے اہل علم اُس کے وقت میں اپنا کمال علمی ظاہر کرنے سے ڈرتے تھے اور اکثر جُہلا کے لباس میں چھپے رہتے تھے۔ مگر شیخ نے کہ ایک مرد میدان تھا (اگرچہ بمقتضائے مصلحت وقت دربار سے کنارہ کش رہا) پابندی وضع کو ہاتھ سے نہ دیا اور آخر اتابک کو اُسکی غلط فہمی سے آگاہ کر ہی دیا۔ اور اگرچہ اس بادشاہ نے بہت سے علماء کو ذلیل و خوار کیا تھا۔ مگر شیخ سے ہمیشہ عزت کے ساتھ ہی پیش آتا تھا۔ اور سعد بن ابوبکر تو جس کے نام پر شیخ نے گلستان لکھی ہے۔ اسکا خاص معتقد اور ارادتمند تھا +

شیخ مرحوم نے گلستاں میں ایک عجیب حکایت لکھی ہے جس میں اُس نے ریاکار فقیروں کے چالچلن پر نکتہ چینی کی ہے اور جاہل درویشوں کی قلعی کما حقہ کھولی ہے۔ اس حکایت میں اس نے صاف اتابک ابوبکر پر چوٹ کی ہے اور وہ حکایت یہ ہے کہ کسی جنگل میں ایک درویش رہتا تھا جو درختوں کے پتے کھاتا اور دن رات عبادت کردگار میں مشغول رہتا تھا ایک بادشاہ اُسکے زہد و تقوے کا شہرہ سُن کر اُسکی زیارت کو گیا اور عزت سے اُسکو شہر میں لے آیا۔ بادشاہ نے درویش کے رہنے کے لئے ایک خاص محل جو لب باغ واقع تھا خالی کرایا اور نہایت خلوص کے ساتھ اُسکو وہاں اُتارا۔ جب درویش کو بجائے جنگل پھل پھول اور گھاس پات سے طرح طرح کے عمدہ اور لطیف کھانے ملنے لگے۔ نفیس کپڑے پہننے کو اور خوبصورت لونڈیاں

خدمت کرنے کو ملیں۔ آگے شاہ صاحب خاک پر فرش محمدی ہی کیا کرتے تھے اب مخمل وکمخواب کے نرم نرم گدیلوں پر استراحت فرمانے لگے تو شاہ صاحب نے خوب رنگ وروپ نکالا۔ ایک دن وزیر بادشاہ کی قدمبوسی کے لئے حاضر ہوا۔ بادشاہ نے کہا کہ جس قدر مجھے علماء و فضلاء اور زہاد سے عقیدت اور محبت ہے۔ اس قدر کسی اور گروہ سے نہیں۔ وزیر باتدبیر نے عرض کی کہ حضور شرط مروّت یہ ہے کہ دونوں کے ساتھ نیکی کیجا وے علماء کو روپیہ دینا چاہئیے تاکہ اطمینان سے درس اور تصنیف میں مصروف رہیں اور زاہدوں کو سوائے قوت لایموت کے کچھ نہیں دینا چاہئیے تاکہ اُن کے زہد و تقوے میں خلل نہ آئے۔ زاہدوں کو روپیہ دینا اُن کے حق میں کانٹے بونا ہے۔ کیونکہ روپیہ ملنے سے وہ آرام طلب ہو جاتے ہیں اور اُن کی عبادت و اوقات میں فرق آجاتا ہے +

گلستان کے اسی باب میں ایک اور چبھتی ہوئی حکایت ہے۔ جس میں اتابک ابوبکر پر چشمک ہے۔ شیخ نے لکھا ہے کہ ایک بادشاہ کو سخت مہم پیش آئی اور اس نے منت مانی کہ اگر خدا نے مجھے مظفر و منصور کیا تو میں بہت سا روپیہ زاہدوں کی نذر کرونگا۔ جب اُسکی مراد پوری ہوگئی تو اپنے عہد کے موافق روپیوں کی تھیلیاں غلام کو دیں کہ زاہدوں کو جاکر تقسیم کرآدے۔ غلام بہت داناتھا۔ تمام دن ادہرادہر پھر اکر شام کو تھیلیاں ہاتھ میں لئے جیسے گیا تھا ویسا ہی چلا آیا اور عرض کیا کہ قبلہ حاجات تمام دن گھوما۔ مگر کوئی زاہد نہیں ملا۔ بادشاہ نے کہا۔ جھک مارتا ہے۔ اس شہر میں سینکڑوں زاہد بھرے پڑے ہیں۔ غلام زیرک نے عرض کی کہ حضور جو زاہد ہیں وہ تو لیتے ہی نہیں اور جو لیتے ہیں وہ زاہد ہی نہیں۔ یہ سُن کر بادشاہ ہنس کر خاموش ہوگیا +

غرض ایسی ایسی چوٹوں سے شیخ ہرگز نہ چوکتا تھا اور شیخ ہی تھا۔ جس کا

لحاظ اتابک ابو بکر کرتا تھا۔ ورنہ اگر کوئی اور آدمی بات بھی موتھ سے نکالتا تو وہ کھڑے کھڑے نکلوا دیتا۔ کہتے ہیں ایک دفعہ اتابک ابو بکر نے شیخ سے کہا کہ آپ مسند قضات پر جلوہ افروز ہو کر مجھے ممنون فرماویں۔ شیخ نے کہا کہ میں اس مسند کے لایق نہیں۔ اتابک نے وجہ پوچھی۔ شیخ نے کہا اگر میں نے سچ کہا ہے تو مجھے معاف رکھئے اور اگر میں نے دروغ کہا ہے تو دروغگو کو قاضی نہیں بنانا چاہئے۔ اتابک ہنس کر خاموش ہو گیا۔ دراصل یہ واقعہ امام ابو حنیفہؒ سے متعلق ہے +

خواجہ شمس الدین جوینی صاحب دیوان اور انکا چھوٹا بھائی خواجہ علاء الدین جوینی کو (جو ہلاکو خاں کے پسر آباقا خاں کے معتمد وزیر اور نایب السلطنت تھے) شیخ کے ساتھ خاص عقیدت اور ارادت تھی۔ ایک روز شیخ مرحوم حج سے واپس آتے ہوئے تبریز سے گذرے۔ راہ میں آباقا خاں کی سواری آتی تھی۔ یہ دونوں بھائی بھی اُس کے ساتھ تھے۔ ان کا شیخ کو دیکھنا تھا کہ فوراً گھوڑوں سے اُتر کر شیخ کے پاس آئے اور نہایت مودب ہو کر شیخ کے قدم لئے اور ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ بادشاہ نے حیران ہو کر پوچھا کہ یہ کون ہے جسکی ہم سے بھی زیادہ تعظیم کی گئی ہے۔ اُنھوں نے کہا حضور یہ ہمارا شیخ ہے سعدی اسکا نام ہے۔ اسی کا نام اور اسی کا کلام تمام عالم میں مشہور و معروف ہے چنانچہ آباقا خاں نے بھی شیخ سے ملاقات کی اور شیخ کیخاطر و مدارات میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا +

شیخ کی عقیدت کے بارہ میں بعض لوگ یہاں تک بیان کرتے ہیں کہ ملتان میں رکن عالم صاحب نبیرۂ شاہ بہاء الحق صاحب نے شیخ سے بیعت کی تھی اور تصوف میں شیخ مرحوم ہی سے سبق لیا تھا۔ اور سلطان غیاث الدین بلبن کے بیٹے خان شہید نے جو ناظم ملتان تھا۔ شیخ کو بارہا لکھا کہ جناب شیراز سے ملتان تشریف لائیں اور اپنے قدوم میمنت لزوم سے میرے مکان کو آباد اور میرے دلکو شاد فرمائیں +

ولیم اوسلی ایل ایل ڈی نے جو سرگور اسلی سفیر ایران کا پرائیویٹ سکتر تھا اپنے سفرنامہ ممالک مشرقیہ میں جو غالباً اُس نے ۱۸۱۹ء میں تحریر کیا لکھا ہے کہ :-
شیراز میں جہان نما کے قریب ایک مقام ہے جسکو چہل تن کہتے ہیں اور اسکے قریب ایک اور مقام ہے جسکو ہفت تن کہتے ہیں کیونکہ اسمیں سات درویشوں کی قبریں ہیں۔ اس مقام کے ساتھ ایک باغ ہے۔ جسمیں بیشمار سرو کے درخت ہیں۔ ہفت تن کے ایک بالائی کمرہ میں سعدی اور حافظ کی تصویریں نصب ہیں۔ یہ تصویریں اگرچہ خیالی معلوم ہوتی ہیں مگر ایسے ملک میں بنائی گئی ہیں جہاں یہ دونوں صاحب کمال پیدا بھی ہوئے اور فوت بھی ہوئے۔ پس ممکن ہے کہ اسکی کچھ نہ کچھ اصلی صورت کے ساتھ مشابہت ہو۔ شیخ کے مدفن پر ابتک سینکڑوں شیخ کے معتقد زائرین کر جاتے ہیں اور وہاں چہارشنبہ کے دن درویشوں کا میلا لگا رہتا ہے۔ صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ جب میں وہاں گیا تو درویش کثرت سے اس مقام میں موجود تھے اور ایک عجیب طرح کی بدبو وہاں سے آتی تھی۔ میں نے اس بدبو کا حال دریافت کیا تو میرے ہمراہی نے مجھے یقین دلایا کہ یہ بدبو اُن درویشوں کے میلے کپڑوں سے آرہی ہے جو کثرت سے یہاں جمع ہیں۔ یعنے شیخ کی عقیدت کا اب بھی یہ عالم ہے کہ ابتک اُس کے مدفن پر میلا لگا رہتا ہے وہ رستہ جو شیخ کے مقبرہ کو جاتا ہے شیخ ہی کے نام پر پل سعدی کہلاتا ہے۔ مسٹر ولیم یہ بھی لکھتے ہیں کہ شیخ کے مقبرہ کا جو بیرونی دروازہ ہے۔ وہ اسقدر نیچا ہے کہ میانہ قد کا آدمی بھی جُھکے بغیر اندر داخل نہیں ہوسکتا۔ اور یہ دروازہ دانستہ اسقدر نیچا رکھا گیا ہے تاکہ زائرین ادب سے جُھک کر اندر داخل ہوں اور کوئی شخص گھوڑے پر سوار ہو کر اندر نہ آسکے۔ جس کے باعث بے ادبی ہو۔ لوگوں کے دل میں شیخ کی اسقدر عظمت اور بزرگی ہے کہ مقبرہ کے ساتھ ایک چھوٹا سا تالاب ہے۔ جس کو ابتداء میں قلات گاذران کہتے تھے

مگراب اسکو سعدیہ کہتے ہیں۔ اس تالاب میں طرح طرح کی مچھلیاں بکثرت ہیں۔ جن کے نتھنوں میں بعض معتقدان شیخ نے سونے کی نتھلیاں ڈالی ہوئی ہیں۔ کیا مجال کسیکی جو وہاں سے مچھلی پکڑے یا اُن مچھلیوں کو کسی قسم کی ایذا دے۔ یعنے شیخ کی تقدس مآبی کا یہانتک شہرہ ہے کہ لوگوں کو ہر حال میں اُسکا ادب ملحوظ خاطر رہتا ہے +

جان پلٹس صاحب نے لکھا ہے کہ بعض معتقدان شیخ اُسکو ولی سمجھتے تھے اور ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ جب شیخ نے شہر کے باہر عالیشان عمارت یا خانقاہ بنوائی تو دن رات وہیں رہنے لگا۔ اس خانقاہ میں بڑے بڑے شہزادے۔ امراء اور سردار شیخ سے ملنے آجاتے تھے اور اُس کے لئے کھانا بھیجا کرتے تھے۔ شیخ کا دستور تھا کہ روٹی کے تین حصے کیا کرتا تھا۔ ایک حصہ آپ کھالیا کرتا تھا۔ دوسرا حصہ فقیروں اور محتاجوں کو دیدیا کرتا تھا۔ اور ایک حصہ ایک چھینکے یا خلتہ میں جو دروازہ پر لٹکا رہتا تھا۔ رکھدیا کرتا تھا۔ تاکہ غریب لکڑہارے جب دن بھر لکڑیاں کاٹ کاٹ کر تھک جائیں تو وہ روٹی کھاویں اور تازہ دم ہوجاویں۔ ایک دن ایک چور لکڑہاروں کا بھیس کر کے وہاں آیا جب اُس نے تھیلے کے اندر ہاتھ ڈالا تو وہاں کسی چیز نے زور سے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا چور نے ہرچند ہاتھ چھڑانا چاہا مگر کوئی پیش نہ گئی ناچار ہوکر دوہائی دی کہ شیخ صاحب آئیے اور مجھے چھڑائیے۔ شیخ مرحوم نے باہر آکر پوچھا تو کون ہے چور نے کہا۔ بندہ غریب لکڑہارا ہے۔ اگر تو لکڑہارا ہے تو تیرے ہاتھوں میں کلہاڑی کے نشان کیوں نہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ تو چور سینہ زور ہے۔ اب لگاؤ زور۔ دیکھوں آپکی سینہ زوری۔ چور نے منت خوشامد کی اور آئندہ توبہ کی۔ چنانچہ شیخ کے اشارہ پر تھیلے نے چھوڑ دیا +

ہم کہتے ہیں کہ شائد شیخ نے تھیلے میں کوئی حکمت رکھی ہوگی۔ جس سے اُس نے لکڑہاروں کو آگاہ کر رکھا ہوگا۔ چور کو وہ حکمت معلوم نہ تھی اس لئے اُس کا ہاتھ

پھنس گیا ہوگا ؎

مائنسٹر ڈلیفریمری لکھتے ہیں کہ شیخ کے معتقدین نے اُسکی تقدس مآبی کی نسبت اسقدر مبالغہ کیئے ہیں کہ اُسکو کسی ناول کا ہیرو کہنا چاہئیے ؎

فاضل سلوسیٹری ڈی ساسیی صاحب لکھتے ہیں کہ :- شیخ ہمیشہ ایسے شخصوں سے سخت نفرت کرتا تھا جو ٹٹی کی آڑمیں شکار کھیلتے ہیں - وہ اس قسم کے ریاکار زاہدوں کو سخت بُرا جانتا تھا - جو زاہدوں کا لباس پہنکر لہو ولعب میں مشغول ہوجاتے ہیں ؎

شیخ کی بزرگی لوگوں کے دلوں میں ابتک اس قدر ہے کہ گلستان اور بوستاں کو نستعلیق اور خوشخط سنہری روپہری حرفوں میں لکھواکر اور بیش بہا جلدوں میں بند ہواکر اپنے کتب خانوں اور الماریوں میں رکھتے ہیں ؎ لاہور کی پنجاب پبلک لائبریری میں جہاں ایک بے انتہا ذخیرہ کتابوں کا اس وقت موجود ہے داخل ہونے پر سب سے پہلے شیخ کا شعر ایک چوب قلم سے لکھا ہوا نظر پڑتا ہے اور وہ شعر یہ ہے ؎

پئے علم چوں شمع باید گداخت

کہ بے علم نتواں خدارا شناخت

صدیاں گذر گیئں - زمانے نے لاکھوں رنگ بدلے - وقت نے پلٹے کھائے صفحہ ہستی کے ورق اُلٹ گئے - اور قانون قدرت کے دو ورق آسمان و زمین بھی ویسے کے ویسے نہ رہے - مگر گلستان کے ورق اُلٹ کر دیکھو - تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح یہ اُس وقت اپنی حکائتوں اور معنی خیز حکمتوں کے باعث مقبول خاص و عام اور واجب العمل تھی - ویسے ہی آج بھی دستور العمل بننے کے قابل ہیں ؎

شیخ کی تصنیف ملنے قبولیت عام سے بقائے دوام کا ایک ایسا مرصع تاج شیخ کے خرق مبارک پر دھرا ہے جو سُرمہ اصفہانی اور شیرۂ شیراز کے ناموں کے ساتھ ساتھ دُنیا کے اختتام تک جائیگا اور اُسکی لسانی اور جادو بیانی

نے شہرت عالمگیر کا ایک ایسا نولکھا ہار اُس کے گلے میں پہنایا ہے جو قیامت تک سحبان اور سیسرو کے نام کی طرح سلامت رہیگا +

چھٹا باب

شیخ کی تصنیف پر رائے

شیخ علیہ الرحمتہ کا کلام بقول پروفیسر اتی تھی سب سے پہلے شیخ علی بن احمد نے شیخ کی وفات سے بیالیس برس کے بعد مرتب کیا ہے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ شیخ کی مکمل کلیات نہیں ہے۔ یعنے علاوہ اس کلام کے جو علی بن احمد نے جمع کیا۔ شیخ کا اور بہت سا کلام تھا جو کسیکو جمع کرنے کا خیال نہ آیا۔ اور وہ یوں ہی ضایع ہوا موجودہ مشہور کلام کی تفصیل یہ ہے:۔

غزلیات:
(۱) طیبات یعنے غزلیات کا پہلا دیوان
(۲) بدایع یعنے غزلیات کا دوسرا دیوان
(۳) خواتیم یعنے تیسرا دیوان
(۴) مجموعہ غزلیات

قصائد:
(۵) قصائد فارسی
(۶) قصائد عربی

(۷) مراثی +
(۸) ملمعات +
(۹) مثلثات +
(۱۰) ترجیعات +
(۱۱) مثنویات۔ صاحبیہ

(۱۲) قطعات
(۱۳) رباعیات } صاحبیہ
(۱۴) مفردات
(۱۵) مطائبیات وہزلیات +
(۱۶) پند نامہ یعنے کریما +
(۱۷) بوستاں +
(۱۸) گلستاں +
(۱۹) رباعیات +

ان رسالوں میں سلوک اور تصوّف کے مضامین اور مشائخ اور عارفوں کی حکائیتیں اور بادشاہوں اور اعیان سلطنت کی نصیحتیں درج ہیں +

علاوہ ان کے قریب سو کے شیخ کی تصنیفات اور ہیں۔ جو ہندوستان میں مشہور نہیں۔ مثلاً بقول مسٹر ہمبرگ سعدی کی سب سے بڑی کتاب سلطنت عباسیہ کی چھ سو برس کی تاریخ ہے۔ جو ۱۶۸۱ء میں پہلے لاطینی میں ڈیوڈ ہولے نے ترجمہ کی اور کنگ ایسڈن نے ۱۷۱۱ء میں پیرس میں ترجمہ کی۔ دوسری کتاب کا نام جزائر افریقہ ہے۔ اسکی بھی چار جلدیں ہیں وغیرہ وغیرہ +

علی بن احمد جامع کلیات شیخ کی رائے غزلیات شیخ کی نسبت یہ ہے کہ جب اُسکی غزلیات مجالس سماع میں گائی جاتی ہیں تو یہ کیفیت ہوتی ہے کہ خاص و عام بے ہوش اور از خود فراموش ہو جاتے ہیں +

مولٰنا عبدالرحمٰن جامی کی شیخ کی غزلیات کی نسبت مفصلہ ذیل رائے ہے

در شعر سہ کس پیمبر انند ۔۔۔ ہر چند کہ لا نبی بعدی
ابیات و قصیدہ و غزل را ۔۔۔ فردوسی ۔ انوری و سعدی

امیر خسرو دہلی نے یہ رائے ظاہر کی ہے ؎

خسرو سرمست اندر ساغر معنی بریخت ۔۔۔ شیرہ از میخانۂ مستے کہ در شیراز بود

خواجہ مجد الدین ہمگر کی یہ رائے ہے ؎

ماگرچہ بہ نطق طوطئے خوش نفسیم
بر شکر گفتہ ہائے سعدی مگسیم
در شیوۂ شاعری بہ اجماع اُمم
ہرگز من وسعدی بہ امامی نرسیم

اس رباعی کے متعلق ایک روایت بھی ہے جس کا ذکر اس موقع پر ہماری رائے میں خالی از لطف نہو گا۔ کہتے ہیں کہ ایکدن خواجہ شمس الدین صاحب دیوان امیر معین الدین پروانہ حاکم روم۔ ملک افتخار الدین کرمانی اور ملّا نور الدین صدری باہم صلاح کر کے خواجہ مجد الدین ہمگر کے پاس آئے جو شیخ علیہ الرحمتہ کا جلیل القدر معاصر تھا اور شیخ علیہ الرحمتہ کے کلام پر محاکمہ کی درخواست کی۔ چنانچہ جواب میں مجد ہمگر نے یہی رباعی پڑھ دی جو ہم اوپر درج کر آئے ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ رباعی شیخ تک بھی جا پہنچی۔ شیخ کی سیف زبانی مشہور تھی۔ اُس نے جواب میں ایک رباعی کہی جو فوراً چاروں طرف مشہور ہو گئی اور وہ رباعی یہ ہے ؎

ہرکس کہ بہ بارگاہ سامی نرسد
از بخت سیاہ وبد کلامی نرسد
ہمگر کہ بعمر خود نکردہ است نماز
شک نیست کہ ہرگز بہ امامے نرسد

حاجی لطف علیخاں آذر کی یہ رائے ہے کہ شیخ پیغمبر غزل ہے اور فردوسی انوری اور نظامی کے سوا کسی کی مجال نہیں کہ جو شیخ کی برابری کا دعوےٰ کرے۔ چنانچہ حاجی موصوف کو مجد ہمگر کا امامی کو شیخ پر ترجیح دینا بھی ناگوار گذرا ہے اور اس نے یہ قطعہ لکھکر دل کا بخار نکالا ہے ؎

یکے گفت امامی امام ہنری را
زسعدی فزوں یافتہ مجد ہمگر

دریں ماجرا چیست رائے تو گفتم
ستمگر بود نجد ہمگر ستمگر

جان پلیسٹ نے جو الفنیکپٹر مدر اس ممالک متوسط تھا۔ خیات سعدی میں جو گلدستہ کے ترجمہ کے شروع ہی میں ہے۔ لکھا ہے کہ سعدی غزل کا مُسلم الثبوت اُستاد تھا۔ اُس سے پہلے کسی نے ایسے اشعار نہیں کہے۔ جنکو واقعی غزل کہا جاوے شیخ کا دیوان "نمکدان شعرا" اور شیخ کا خطاب ممالک مشرق میں "بلبل ہزار داستان" ہے +

اسمیں شک نہیں کہ شیخ نے اپنی جادو بیانی سے غزل میں ایک نئی لذّت پیدا کردی ہے۔ اگرچہ ظہیر۔ خاقانی اور انوری وغیرہ کی غزلیات موجود تھیں مگر شیخ نے اس میدان میں ایسے عجیب و غریب گُل کھلائے کہ سب اسی روش پر ٹوٹ پڑے +

میری رائے میں شیخ کی غزلیات میں مفصلۂ ذیل خصوصیتیں ہیں :-

(۱) شیخ کی غزلیات میں کلام کی سادگی سے فکر کو بجائے کاہش کے لذّت حاصل ہوتی ہے اسواسطے اُسکی غزلیات خاص لوگوں میں پسندیدہ اور عوام میں ہر دلعزیز ہیں +

(۲) غزلیات میں زبان ایسی شُستہ اور صاف استعمال کی گئی ہے کہ گویا سامنے بیٹھے باتیں کر رہے ہیں اور دل کے خیالات کو جو سب کی طبیعتوں کے مطابق ہیں محاورہ کا رنگ دیکر باتوں باتوں میں اسطرح ادا کیا ہے کہ وہ باتیں مضمون بنگئیں +

(۳) شیخ نے غزلیات میں بحریں ایسی اختیار کی ہیں جو تغزل اور تفنن کے لئے نہایت موزوں اور مناسب ہیں۔ یعنے شیخ کی غزلیات ہر بحر میں کہیں شربت اور کہیں شیر شکر ہیں اور بعض اوقات آب حیات بن جاتی ہیں۔ اس لئے جو لفظ مُنہ سے نکلتا ہے۔ تاثیر میں ڈوبا ہوا نکلتا ہے +

(۴) غزلیات کے مضامین زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ ہم شاعر کے لئے خیالی

نہ تھے - حالی بھتے - جہاں کہیں دکھڑا رویا ہے وہاں ایسے مضامین استعمال کئے ہیں جس سے دلوں میں اثر اور سینوں میں درد پیدا ہوتا ہے - جن کے لفظ لفظ سے ناکامی اور زار نالے اور جن کے حرف حرف سے حسرت اور مایوسی ٹپکتی ہے جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر کا دل غم و درد کا مبتلا یا حسرت و اندوہ کا گورستان تھا اور جو سننے والوں کے لئے نشتر کا کام کر جاتے ہیں - جہاں کہیں عیش و نشاط کے مضامین کو لیا ہے - وہاں لفظ لفظ سے خوش طبعی اور حرف حرف سے ظرافت برستی ہے اور یہی معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے شراب ناب کے سرور میں گل افشانی کی ہے *

(۵) شیخ نے غزلیات میں فصاحت و سادگی پر ایک شوخی اور بانکپن کا انداز ایسا بڑھایا کہ جس سے پسند عام نے شہرت دوام کا فرمان دیا ہے - جس سے عوام الناس میں ہوم مچگئی اور خواص مان گئے کہ یہ طرز انہیں کی ایجاد ہے *

(۶) مضامین کی رنگینی محاوروں کی نمکینی سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر کو زبان پر قدرت کامل تھی یعنے شیخ کی غزلیات تازگی مضمون - صفائی کلام - چستی ترکیب خوبئی محاورہ اور عام فہمی کی صفات سے متصف ہیں *

(۷) شیخ کی غزلیات ہر پہلو سے مرغوب طبائع خاص و عام ہیں - درویش خصلت اور فقیر مزاج لوگوں کے لئے وہ ایک تصوّف اور عرفان کا دریا ہیں اور غیر متشرع رند مشرب اور آزاد لوگوں کے لئے یہ ایک ہوش ربا میخانہ ہیں *

(۸) شیخ نے تشبیہ اور تمثیل سے غزلیات میں ایسی ستکاری اور مینا نگاری کی ہے کہ اُس سے لفظوں میں شوکت اور کلام میں بلاغت پیدا ہو گئی ہے *

شیخ نے بھی عاشقانہ اشعار کی بنیاد امردوں اور سادہ رخوں کے عشق پر رکھی ہے اسی بنا پر بعض شخص شیخ پر امرد پرستی کا الزام لگاتے ہیں - چنانچہ اس امر کی تائید میں جان پلیٹس نے سعدی کی اس نوک جھونک کا ذکر کیا ہے - جو تبریز کے حمام میں ہمام الدین تبریزی کے ساتھ ہوئی وہ قصہ اس طرح سے ہے :-

کہ جب شیخ علیہ الرحمتہ تبریز میں گیا تو اُس نے ہمام تبریزی کا بہت شہرہ سُنا کسی نے شیخ سے یہ بھی کہہ دیا کہ اُسکا ایک لڑکا یوسف ثانی ہے۔ مگر ہمام اسکو پردہ میں رکھتا ہے اور غیر اور اجنبی اشخاص سے اُسکو ملنے نہیں دیتا۔ شیخ کو اُس کے حُسن وجمال کا شہرہ سُنکر غائبانہ اشتیاق پیدا ہوا۔ غرض اسی مطلب کے لئے شیخ پہلے سے جاکر ایک حمام میں چھپ رہا۔ جس میں اُس دن ہمام معہ اپنے پسر کے غسل کو جانیوالا تھا۔ خواجہ ہمام اور اُسکے لڑکے کے داخل حمام ہوتے ہی شیخ صاحب بھی گلیم درویشی اوتار کر سامنے کھڑے ہو گئے۔ خواجہ ہمام کو شیخ کی حرکت بیجا سخت ناگوار گذری۔ اپنے لڑکے کو اپنے پیچھے چھپا لیا اور لڑکے کے آگے آپ کھڑا ہو گیا۔ پھر شیخ کو جھڑک کر بولا۔ تو کہاں سے آیا ہے۔ شیخ نے جواب دیا خاک پاک شیراز سے۔ ہمام نے جواب دیا کہ اس مُلک میں شیرازی تو کتّے کے برابر ہے شیخ نے کہا کہ ٹھیک ہے مگر شیراز میں تبریزی کُتوں سے بدتر سمجھے جاتے ہیں اسی طرح کچھ عرصہ تک شیخ میں اور خواجہ میں نوک جھونک ہوتی رہی۔ آخر خواجہ لاجواب ہو گیا اور منفعل ہو کر کہنے لگا۔ اچھا تبلائیے کہ شیراز میں خواجہ ہمام الدین کے اشعار بھی مشہور ہیں یا نہیں۔ سعدی نے کہا بیشک مشہور ہیں اور ایک مقطع پڑھا جس کا مطلب یہ تہا کہ ہمام میرے درمیان اور میرے معشوق کے درمیان ایک پردہ ہے۔ مجھے امید ہے کہ بیچ میں سے یہ پردہ ہٹ جائیگا +

خواجہ ہمام نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ آپ سعدی ہیں۔ شیخ نے کہا۔ بیشک ! اسپر خواجہ نے معذرت کی اور کہا کہ معاف رکھئے میں نے پہلے نہیں پہچانا تھا اس کے بعد اُس نے شیخ کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور اپنے لڑکے کو شیخ کی دست بوسی کا اشارہ کیا اور کئی دن تک مہمان رکھ کر بڑی دہوم سے عزت کی +

شیخ کی غزلیات کو پڑھ کر اُسپر امرد پرستی کا الزام لگانا میری رائے ناقص میں انصاف کا گلا کُند چُھری سے ریتنا ہے۔ صرف شیخ ہی نے تغزل کی بنیاد امردوں اور سادہ رخوں کے عشق پر نہیں رکھی ہے۔ بلکہ کل ایران میں

یہی سُنت شعرا ہے اور آجکل کی اُردو شاعری بھی اسی کے نقش قدم پر چل رہی ہے۔ عرب کی شاعری میں شاعروں نے معشوق کو عورت باندھا اور ہندی شاعری میں عورت کا عشق مرد کی طرف جتایا جاتا ہے۔ مگر ایران والوں نے ایک نئی روش اختیار کر لی ہے۔ یعنے مرد کو مرد کا عاشق فرض کر لیا ہے۔ عرب کی اور ہند کی شاعری بیشک نیچر کے مطابق ہے اور ایران کی شاعری بادی النظر میں خلاف فطرت انسانی مذموم اور قبیح معلوم ہوتی ہے مگر درحقیقت بات یہ ہے کہ فارسی زبان میں عربی اور ہندی زبان کی طرح تذکیر و تانیث کی تمیز نہیں ہے اُسمیں ضمائر۔ افعال اور صفات مرد اور عورت دونوں کے لئے یکساں لائے جاتے ہیں۔ اس لئے ممکن ہے کہ ایرانیوں نے بھی ہندی شاعری کیطرح اپنے آپ کو عورت اور معشوق کو مرد قرار دیا ہو۔ قطع نظر اس کے اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ایران والوں نے۔ عاشقانہ اشعار کی بنیاد امردوں اور سادہ رخوں کے عشق ہی پر رکھی۔ پھر بھی کوئی گناہ لازم نہیں آتا۔ کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ جو فارسی اشعار کہے وہ ضرور امرد پرست ہو۔ یہ صرف ایرانیوں نے برائے نام ضابطہ ٹھیرا لیا ہے ورنہ ہم نے بارہا دیکھا ہے کہ اکثر شاعر جو پارسا اور پرہیزگار ہیں اور جنہوں نے نہ کبھی شراب کا مزا چکھا ہے نہ اُسکی بو تک سونگھی ہے۔ سینکڑوں ورق شراب اور کباب کے مضامین میں سیاہ کر دیتے ہیں اور ہزاروں پاکباز او عفت مآب دم بھر کے لئے صرف شاعری کی خاطر امرد پرست اور شاہد باز بنجاتے ہیں +

مزید برآں کسی پر عاشق ہونا یا کسی کو اپنا معشوق گردانناہ یہ معنے نہیں رکھتا کہ ضرور معشوق سے لذات نفسانی اور بہائمی کا پورا کرنا مقصود ہو اگر عشقبازی کا مُدعا صرف یہی ہے تو وہ عشقبازی صرف بوالہوسی ہے۔ میری رائے میں عشق مجازی عشق حقیقی کا پہلا زینہ ہے۔ عاشق کو معشوق کی صفات کا عشق ہوتا ہے نہ کہ اُسکی ذات کا۔ مثلاً جو عاشق حسن و جمال ہے وہ ہمیشہ حسن

وجمال پر عاشق ہوگا - خواہ وہ عورت میں اُسے نظر آئے خواہ مرد میں - بلکہ زیادہ تر وہ امرد پر عاشق ہوگا - کیونکہ اُسمیں گنہگاری کا کم خدشہ ہے - اور عورت کے عشق میں جو قدرت نے مرد کے لئے وضع کی ہے خلاف شرع حرکت سے واقع ہونیکا زیادہ تر احتمال ہے ÷

اسمیں کچھ کلام نہیں کہ عشق و محبت اُسکی سرشت میں تھی اور اکثر امردوں اور سادہ رخوں کیطرف اُسکا میلان خاطر تھا جیسا کہ لطف علی نے آتشکدہ میں ہمام تبریزی کی حکایت میں لکھا ہے مگر وہ امردوں کا عاشق نہ تھا - وہ صرف اُنکی خوش وضعی کا شیدا تھا - اور وہ بھی اس درجہ تک جہانتک صوفی اور سالک کو ترقئ باطنی کے لئے ضرورت ہے - شیخ علیہ الرحمتہ ناپاک عشقبازی - ریاکاری مکروسالوس اور ہوا و ہوس سے کوسوں بھاگتا تھا - اُس نے خود ایک موقعہ پر کہا ہے ؎

گر نظر صدق را نام گنہ می نہند
حاصل ما ہیچ نیست جز گنہ اندوختن

غزلیات

ایکہ آگاہ نۂ عالم درویشاں را - تو چہ دانی کہ چہ سودا وسرست ایشانرا
گنج آزادگئے و کنج قناعت ملکست - کہ بشمشیر میسر نشود سلطاں را
طلب منصب فانی نکند صاحب عقل - عاقل آنست کہ اندیشہ کند پایاں را
جمع کردند و نہادند و بحسرت رفتند - دیں چہ دارد کہ بحسرت نگزارد آں را
درازل بود کہ پیماں محبت بستند - نشکند مرد اگرش سر برود پیماں را
عاشقے سوختۂ بے سروساماں دیدم - گفتم اے یار مکن در سر فکرت جاں را
نفسے سرد بر آورد وضعیف از سر زد - گفت بگذار من بے سروبے سامانرا
پندِ دلبند تو در گوش من آمد ہیہات - مشکہ بر درد حریفم چہ کنم درماں را

سعدیا عمر عزیز است بغفلت مگذار *
وقت فرصت نشود فوت مگر نادان را

خوشتر از دوران عشق ایام نیست — بامداد عاشقاں را شام نیست
مطرباں رفتند و صوفی در سماع — عشق را آغاز ہست انجام نیست
از ہزاراں در یکے گیرد سماع — زانکہ ہر کس محرم پیغام نیست
ہر کسے را نام معشوقے کہ ہست — مے برد معشوق ما را نام نیست
باد صبح و خاک شیراز آتشے ست — ہر کہ او در دے گرفت آرام نیست

سعدیا چوں بت شکستی خود مباش
خود پرستی کمتر از اصنام نیست

دو چشم مست میگونش برد آرام ہشیاراں
دو خواب آلودہ بر بودند عقل از دست بیداراں
نصیحتگوئے را از من بگوائے خواجہ دم درکش
کہ سیل از سر گذشت آنرا کہ میترسانی از یاراں
چہ بوئیست آنکہ عقل از من بیرد و صبر و ہشیاری
ندانم باغ فردوس است یا بازار عطاراں
تو با ایں مردم کوتہ نظر در چاہ کنعانی
بمصر آ تا پدید آید یوسف را خریداراں

لاابالی چہ کند دفتر دانائی را — طاقت وعظ نباشد سر سودائی را
دیدہ را فائدہ آنست کہ دلبر بیند — ور نہ بیند چہ بود فائدہ بینائی را
ہمہ دانند کہ من سبزہ خط دارم دوست — نہ چو دیگر حیواں سبزہ صحرائی را

سعدیا نوبتے امشب دہل صبح نکوفت
یا مگر صبح نباشد شب تنہائی را

دلے کہ عاشق و صابر بود مگر سنگست — ز عشق تا بہ صبوری ہزار فرسنگست

برادران طریقت نصیحتم نہ کنید | کہ توبہ در رہ عشق آبگینہ و سنگست
دگر بہ خفیہ نمی بایدم شراب و سماع | کہ نام نیک بہ نزدیک عاشقان ننگست
چہ تربیت شنوم یا چہ مصلحت بینم | مرا کہ چشم بہ ساقی و گوش بر چنگست
بخشم رفتہ مارا کہ مے برد پیغام | بیا کہ ما سپر انداختیم گر جنگست
بیادگار کسے دامن نسیم صباح | گرفتہ ایم و چہ حاصل کہ باد در چنگست
بکش چنانکہ تو دانی کہ بے مشاہدات | فراخنائے جہاں بر وجود ما تنگست

ملامت از دل سعدی فرو نشوید عشق
سیاہی از حبشی چوں رود کہ خود زنگست

شیخ کے قصاید جہاں تک میرا خیال ہے پھیکے ہیں۔ ان میں مطالب کی دقت مضامین کی بلند پروازی۔ الفاظ کی شان و شکوہ اور بندش کی چستی جو لوازمۂ قصائد ہے معدوم ہے۔ شیخ کی قصیدہ گوئی کا ڈھنگ ہی نرالا ہے شیخ نے قصیدہ کو دنیاداروں کو خاطر خواہ وعظ۔ تنبیہ اور پند سودمند کرنے کا حیلہ اور ذریعہ بنایا ہے۔ چنانچہ شیخ کے جتنے قصیدہ ہیں اُن میں برائے نام مدح و ستائش ہے اور دراصل پند و نصائح سے بھرے ہوئے ہیں*

بعض قدر شناسان سخن کا قول ہے کہ غزل اور قصیدہ کے دو میدانوں میں زمین اور آسمان اور یا یوں کہو دن اور رات کا فرق ہے اور قصیدہ طبیعت کی شگفتگی اور جوش و خروش کا ثمرہ ہوتا ہے۔ اسلئے شیخ کو جسکی طبیعت قدرت سے سادگی پسند تھی قصیدہ لکھنا نہ آتا تھا۔ بیشتر اسکے کہ ہم بیان کریں کہ یہ ریمارک کہانتک درست ہے۔ ہم ذرا وضاحت کے ساتھ یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ کیوں اور کس سبب سے شیخ کے قصائد پھیکے ہیں*

(۱) شیخ کے قصائد میں الفاظ کی شان و شکوہ اور تکلف معدوم ہے۔ یعنے شیخ کے کلام میں اس قدر سادگی اور بے تکلفی ہے کہ جو قصائد کے لئے مذموم ہے*

(۲) قصائد میں مبالغہ اور خوشامد سے از حد کام لیا جاتا ہے - مگر شیخ کے قصائد میں یہ بات مطلق نہیں ہے - شیخ نے آزادی اور حق گوئی کو زیادہ لیا ہے *

(۳) قصائد میں شاعر علم و فضل کے اظہار کے لئے مسائل فلسفہ - دقائق تصوّف مقدمات حکمت - اصطلاحات منطق داخل کر لیتے ہیں - اور شیخ نے ایسے دکھاوے سے پرہیز کیا ہے *

(۴) صنائع لفظی خصوصاً تجنیس و ترجیع اور تشبیہ و استعارات کا استعمال قصاید کا زیور سمجھا جاتا ہے - مگر شیخ نے ان سبکو چھوڑ کر سادہ بیانی کو لیا ہے *

(۵) عموماً قصائد حصول تقرب سلطانی - ترقیٔ درجات اور اجتماع مال و منال اور مزید بر آں تسخیر شہرت کا ذریعہ سمجھے جاتے ہیں - مگر شیخ نے اُن کو پند و موعظت کا وسیلہ قرار دیا ہے *

اصُول قصیدہ سے منافرت کے بواعث مفصلۂ ذیل ہیں :-

(۱) حق گوئی جو اُسکی طبیعت میں ودیعت کی گئی تھی - تکلّفات لا یعنی سے سے مانع تھی *

(۲) شیخ بیجا خوشامد اور مبالغہ کو نہایت ناپسند کرتا تھا *

ظہیر فاریابی نے قزل ارسلاں کی مدح میں ایک جگہ کہا ہے ؎

نہ کرسیٔ فلک نہد اندیشہ زیر پاے

تا بوسہ بر رکاب قزل ارسلاں زند

شیخ نے اتابک ابو بکر سعد کی تعریف میں ظہیر فاریابی کے شعر کی اس طرح تعریض کی ہے ؎

براہ تکلف مرو سعدیا ۔ اگر صدق داری بیار و بیا

تو منزل شناسی و شہ راہ رو ۔ تو حقگوے و خسرو حقایق شنو

چہ حاجت کہ نہ کرسیٔ آسماں ۔ نہی زیر پائے قزل ارسلاں

مگو پاے عزت بر افلاک نہ ۔ بگو روئے اخلاص بر خاک نہ

(۳) شیخ ہمیشہ دکھاوے کو ناپسند کرتا تھا۔ فخر اور تعلّے کو کسر شان سمجھتا تھا اور خودپسندی اور خودبینی اُس کے نزدیک ننگ و عار تھی +

(۴) شیخ کی تمام عمر پند و موعظت میں صرف ہوگئی اور نصیحت کے لئے عام فہم اور اور سلیس عبارت درکار ہوا کرتی ہے +

(۵) شیخ کی استقامت اور سنجیدگی اس امر کی مقتضی نہ تھی کہ وہ دریوزہ گری کرے۔ اُسکو توکل اور قناعت بندہ کی خوشامد کی اجازت نہ دیتی تھی چنانچہ ایک قطعہ میں اُس نے خود کہا ہے کہ "لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ سعدی تو کیوں مصیبتیں جھیلتا ہے اور تکلیفیں اُٹھاتا ہے۔ تو اوروں کی طرح اپنے کمال شاعری سے کیوں متمتع نہیں ہوتا؟ اگر تو مدح گوئی اختیار کرے تو نہال ہو جاوے۔ مگر مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ گداؤں اور فقیروں کیطرح امیر و وزیر کے دروازہ کھٹکھٹاتا پھروں۔ اگر ایک جو بھر ہنر کے عوض میں تجھے کوئی سو خزانہ بخشدے تو وہ مستحق شکر ہے اور میں قابل نفرین" +

شیخ مرحوم نے جو قصائد لکھے ہیں وہ محض محبّت اور خلوص سے لکھے ہیں خوشامد کی راہ سے یا صلۂ انعام کے بھروسہ پر نہیں لکھے۔ شیخ کے نزدیک اغراض قصیدہ مفصلہ ذیل تھے:۔

(۱) ممدوح کی تعریف ایسے الفاظ میں کیجاوے جسکو دیکھ کر اُس کے مخالفین اُسی ہجو ملیح سمجھ کر خندہ زن نہوں +

(۲) ممدوح کی تعریف بلامبالغہ ایسے الفاظ میں کیجاوے۔ جسنے خاص و عام کے دل میں اُسکی محبت جانشین اور اُسکی نسبت حسن ظن پیدا ہو وے +

(۳) ممدوح ایسے الفاظ سے مخاطب کیا جاوے۔ جن سے وہ نیکی۔ انصاف اور ترقی کی طرف راغب ہو +

ان تمام باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ نے قصیدہ کے میدان میں ایک نئی ٹرک تیار کردی۔ اُس نے اُس راہ کو نہیں لیا۔ جپر اساتذہ سلف چلے تھے

پس یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اُنمیں قصیدہ گوئی کی لیاقت نہ تھی - وہ ہر قسم کی تحریر پر قادر تھا - مگر وہ قصیدہ کے قدیمی اصول کو پسند نہ کرتا تھا +

الغرض اگر شیخ کے قصاید اس اصول کی رو سے دیکھے جاویں جو قدیمی اساتذہ نے قایم کیا ہے تو پھیکے اور قصیدہ کے زینہ سے گرے ہوئے ہیں لیکن حق گوئی اور آزادی کے لحاظ سے اپنی آپ نظیر ہیں +

شیخ کے قصائد اکثر ایسے ہیں جو کسی مدح میں نہیں ہیں - ان میں صرف نصایح و مواعظ مندرج ہیں - چنانچہ مفصلہ ذیل بطور نمونہ درج کیا جاتا ہے :-

اے دل بکام خویش جہاں را تو دیدہ گیر
در وے ہزار سال چو نوح آرمیدہ گیر
بستان و باغ ساختہ گیر اندرو بسے
ایوان و قصر سر بفلک بر کشیدہ گیر
با دوستان مشفق و یاران مہربان
بنشستہ و شراب مروق چشیدہ گیر
ہر نعمتے کہ ہست بعالم تو خوردہ دان
ہر لذتے کہ ہست سراسر چشیدہ گیر
چوں بادشاہ عدل تو بر تخت سلطنت
صد جامۂ حریر بدولت دریدہ گیر
ہر گنج دہر خزانہ کہ شاہاں نہادہ اند
آں گنج و آں خزانہ بچنگ آوریدہ گیر
آں بندہ را بسیم و زر خود خریدہ گیر
ہر ماہرو کہ ہست در ایام روزگار
آنرا ببنانہ در بر خود آوریدہ گیر
آواز عود و بربط و نائے و مہر و دو چنگ

آں طنطنہ کہ مے شنوی ہم شنیدہ گیر
در آرزوئے آب حیاتے تو ہر زماں
مانند خضر گرد جہاں در دویدہ گیر
تو ہمچو عنکبوتی و حال جہاں مگس
چوں عنکبوت گرد مگس بر تنیدہ گیر
گیرم تراکہ مال زقاروں فزوں شود
عمرت بعمر نوح پیمبر رسیدہ گیر
چندیں ہزار اطلس و کمخواب روزگار
پوشیدہ در تنعم و آنگہ دریدہ گیر
روزے بپیں کہ ہیچ نماند بجز دریغ
صد بار پشت دست بدنداں گزیدہ گیر
سعدی تو نیز ازیں قفس تنگنائے دہر
روزے قفس شکستہ و مرغش پریدہ گیر

ان کے سوا قصائد ہیں وہ خواجہ شمس الدین جوینی۔ مجد الدین رومی۔ خواجہ علاء الدین انکیانو وغیرہ کی مدح میں ہیں۔ مگر انمیں مدح کی چاشنی برائے نام ہے دو چار شعر مدح کے کہہ کر وہی پند و موعظت کو شروع کر دیا۔ مثلاً وہ قصیدہ ملاحظہ کیجئے جو انکیانو کی مدح میں ہے۔ جسکا مطلع ہے ؎

بس بگردید و بگردد روزگار
دل بدنیا در نہ بندد ہوشیار

اسی قصیدہ میں شیخ لکھتا ہے ؎

"نام نیک رفتگاں ضایع مکن"
"تا بماند نام نیکت برقرار"
"ملک باناں را نشائد روز و شب"

"دگاہے اندر خمر و گاہے در خمار"
"کار مسکینان درویشان بر آر"
"تا ہمہ کارت بر آرد کردگار"
"با غریبان لطف بے اندازہ کن"
"تا برندت نام نیکی در دیار"

شیخ کا جو عربی کلام ہے اُس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ کسی ایرانی کا کہا ہوا ہے بلکہ اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک خاص عربی نژاد ممبر پہ کھڑا ہوا وعظ کر رہا ہے۔ شیخ کی عمر کا ایک بڑا حصہ دیار عرب میں بسر ہوا تھا۔ اسلئے عربی زبان اُسکو بمنزلہ مادری زبان کے ہوگئی تھی قطع نظر اُس سے اُس نے اپنی عمر دینیات۔ تصوف اور علم ادب کے مطالعہ میں صرف کی تھی اور اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ایک مشاق اور ماہر ادیب زبان دان ہوگیا تھا اور اُسکو عربی زبان پہ اسقدر کمانڈ تھا کہ فارسی لکھتے لکھتے معاً ایک جملہ مصرع اور شعر عربی کا ایسا بے تکلف کہہ جاتا تھا کہ اُس سے عبارت میں جان پڑ جاتی تھی اور شاعری کا رتبہ دوبالا ہو جاتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کو بھی اپنی تحریر پہ ناز تھا چنانچہ بغداد کے مرثیہ میں وہ معمولی کسر نفسی کے بعد لکھتا ہے کہ میرے کلام میں وہ جادو ہے جو بابل میں تھا ؎

وبالشعر ابو اللہ نسبت بمکانہ
ولو کان عندی ما ماببل من سحر

بڑے بڑے کرٹک اور سخن شناس کہتے ہیں کہ شیخ کا نعتیہ قطعہ

بلغ العلی بکمالہ کشف الدجی بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ صلوا علیہ و آلہ

اس رتبہ اور اس شان کا ہے کہ اس سے بہتر کوئی نہیں کہہ سکتا +

شیخ کے مرثیہ نہایت دردناک اور رقت انگیز ہیں۔ شیخ یتیمی اور بے پدری کے سوز و گداز کا لذت چشیدہ تھا۔ اُس نے بے کسی اور بے بسی کی چاشنی

چلکی تھی اس نے سلطنتوں کے پئے درپئے انقلاب اور ملکوں کے متواتر تغیرات دیکھے تھے اس نے مظلوموں کے بین اور بیوہ عورتوں کے شور وشین سنے تھے اسلئے اُسکے مرثیوں سے جنمیں اُس نے درحقیقت دل کھول کے سوگواری کی ہے اور خاطرخواہ دکھڑا رو دیا ہے۔ سُننے اور پڑھنے والوں کے سینۂ دل پر ٹھیس لگتی ہے اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں *

شیخ کے ایک مرثیہ پر لوگوں نے اعتراض بھی کیا ہے یعنے شیخ نے چنگیز خاں کے لڑکے ہلاکو خاں کی خونریزی اور مستعصم باللہ کی تباہی اور سلطنت عباسیہ کے زوال کا حال مستعصم باللہ کے ایک نہایت دردناک مرثیہ میں لکھا ہے۔ لوگ یہ کہتے ہیں کہ مستعصم باللہ ایک نالایق۔ ظالم۔ جفاجو ستمگر اور ناشدنی خلیفہ تھا جس کا دماغ۔ تکبّر اور غرور سے مختل ہو گیا تھا۔ اُس کے زمانہ میں اہل سُنت کی حمایت اور طرفداری میں کرخ کے بنی ہاشم پر وہ ظلم ہوا جو انگلینڈ میں خونخوار ہنری ملکہ انگلستان کے عہد میں اور بار تھلیمو کے دن فرانس میں فرقہ پراٹسٹنٹ کے عیسائیوں پر ہوا تھا۔ اُس مرثیہ کے چند اشعار ہم بطور نمونہ درج کرتے ہیں

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں
بر زوال مُلک مستعصم امیر المومنیں

اے محمد گر قیامت مے برآری سر ز خاک
سر برآور وایں قیامت درمیان خلق بیں

نازنیناں حرم را خون خلق نازنین
ز آستان بگذشت و ما را خون دل از آستیں

زینہار از دور گیتی و انقلاب روزگار
در خیال کس نگشتی کانچناں گردد چنیں

دیدہ بردار آنکہ دیدی شوکت بیت الحرام
قیصران روم سر بر خاک و خاقان بر زمیں

خون فرزندان عم مصطفےٰ شد ریختہ
ہم براں خاکے کہ سلطاں نہادندے جبیں
بعد ازاں آسائش از دنیا نباید چشم داشت
قیر در انگشتری ماند چو برخیزد نگیں
دجلہ خونابست زیں پس گر نہد سر در نشیب
خاک نخلستان بطحا را کند با خون عجیں
نوحہ لایق نیست بر خاک شہیداں انکہ نیست
کمترین دولت مر ایشاں را بہشت برترین
لیکن از روئے مسلمانی و راہ مرحمت
مہرباں را دل بسوزد در فراق نازنیں
باش تا فردا کہ بینی روز داور رستخیز
کز لحد با روئے خوں آلودہ برخیزد زمیں

× × × × × × × × ×

× × × × × × × × ×

روزگار رت باسعادت باد و سعدی مدح گو
رائمنت منصور و بختت یار و اقبالت قریں

اگر فرض بھی کرلیں کہ مستعصم باللہ اوّل درجہ کا نالایق اور ناشدنی تھا مگر یہ ضرور کہنا پڑتا ہے کہ اُسکے بگڑنے سے نہ صرف بنی عباس کی سلطنت کا چراغ اقبال گُل ہوگیا بلکہ اہل عرب کا اقتدار صفحہ ہستی سے مٹ گیا اور وہ درخت جس کا بیج خلفائے راشدین نے اپنے ہُنرمند ہاتھوں سے بویا تھا چشم زدن میں بیخ و بن سے اکھڑ گیا پس شیخ نے مستعصم باللہ کا مرثیہ نہیں کہا۔ بلکہ خود اسلام کا مرثیہ کہا تھا اسلئے یہ اعتراض تعصب اور کم نظری کے باعث سے ہے اور اس سے شیخ پر کوئی الزام عائد نہیں ہوتا ؞

شیخ نے اپنا باقی کلام متفرق جس میں رباعیات۔ قطعات۔ متفرقات اور مثنویات وغیرہ ہیں۔ یکجا جمع کیا تھا۔ اور اُس کا نام صاحبیہ رکھا۔ شیخ نے اس مجموعہ کو خواجہ شمس الدین صاحب دیوان کے نام پر جسکو شیخ سے نہایت عقیدت اور ارادت تھی نامزد کیا ہے اور اس نام کی یہی وجہ تسمیہ ہے۔ اب ہم نمونہ کے طور پر چند قطعات اور رباعیات درج کرتے ہیں +

قطعات

نظر کردم بہ چشم راے و تدبیر ۔ ندیدم بہ ز خاموشی خصالے
نگویم لب بہ بند و دیدہ بر دوز ولیکن ہر مقامے را مقالے
زمانے بحث علم و درس و تنزیل کہ باشد نفس انساں را کمالے
زمانے شعر و شطرنج و حکایات کہ خاطر را بود دفع ملالے
خدا ایست آنکہ ذاتِ بے مثالش
نگردد ہرگز از حالے بحالے

رحم اللہ معشر الماضین کہ بمردی قدم سپردندے
راحتِ نفس بندگان خدا راحتِ جان خود شمردندے
آں عزیزاں چو زندہ مے نشوند
کاش ایں ناقصاں بمردندے

رباعیات

ما ہئے امید عمرم از شصت برفت بیفائدہ روزم چو شب مست برفت
عمرے کہ از و دمے بجالے ارزد افسوس کہ رائگانم از دست برفت

آہو برہ ۔ کہ شیر در پے باشد بیچارہ چہ اعتماد بر وے باشد
ایں ملخ در آب چند بتوا ند بود ویں برف در آفتاب تا کے باشد

امشب نہ بیاض روز برمے آید | نے نالۂ مرغان سحر مے آید
بیدار نشستہ ام نظر بر سر کوہ | تا صبح کے از سنگ بدر مے آید

شبہا ز ہمہ خلق نہاں میگریم | چشم از غم دل بر آسماں میگریم
طفل از غم مرغ رفتہ چوں گریہ کند | بر عمر گذشتہ ہمچناں میگریم

فرد

پائے ملخے نزد سلیماں بردن | عیب است ولیکن ہنرست از مورے

سلطاں چو بمنزل گدایاں آید | گر بر سر بوریا نشیند شاید

نہالے کہ سی سال گردد درخت | ز بیخش بر آرد یکے باد سخت

تواضع گرچہ محمود ست و فضل بیکراں دارد | نشاید کرد بیش از حد کہ ہیبت را زیاں دارد

گر بلندت کسے دہد دشنام | بہ کہ ساکن دہی جواب سلام

کوتہ نظراں را نبود جز غم خویش | صاحب نظراں را غم بیگانہ و خویش

شیخ کی کلیات میں ایک مجموعہ ہزلیات بھی ہے جسکی نسبت لوگوں نے عجیب عجیب خیالات ظاہر کئے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ مجموعہ شیخ کے عارض کمال پر ایک بدنما مسّہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ شیخ کی شیخوخیت اور تقدس سے بعید تھا کہ ایسا پھکڑ بولتا +

جان پلیٹس صاحب لکھتے ہیں کہ شیخ کی ہزلیات اس قدر فحش پوچ اور لچر ہیں

کر اُن سے شیخ سخت قابل الزام ٹھیرتا ہے - ہم کہتے ہیں کہ کچھ شک نہیں کہ ان ہزلیات میں بیحیائی کا مُنہ کھلا ہے اور شرم کی آنکھیں بند ہیں - مگر شیخ کا اِس میں ذرہ بھر بھی قصور نہیں تھا - اس مجموعہ کے شروع میں لکھتا ہے :-

الزمنی بعض ابناء الملوک ان اصنف لہ کتابا فی الھزل علی الطریق السوزنی انلم اجبہ فوعدنی بالقتل فلاجل ذالک اجیب امرہ و انشدت ھذہ الابیات وانا استغفر اللہ العظیم :- یعنے ایک بادشاہزادہ نے مجھے اس بات پر مجبور کیا کہ میں ایک کتاب ہزلیات کے طریق پر لکھوں میں نے انکار کیا - اسپر اُس نے مجھے قتل کی دہمکی دی اور مجھے لاچار ماننا پڑا اور ناچار یہ اشعار لکھے اور میں خدائے بزرگ سے توبہ و استغفار کرتا ہوں + مثل مشہور ہے مرتا کیا نہ کرتا - اگر شیخ نے جان بچانے کے لئے یہ بیہودہ زٹل فاقئے ہانک دئے تو یہ کیا گناہ کیا - جان کا بچانا ہر فرد بشر پہ لازم ہے - علاوہ اس کے ان ہزلیات میں شیخ کی جادوبیانی اور لطافت خیالات کوسوں معدوم ہے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اگر شیخ کا کلام ہے تو شیخ نے یہ ہزلیات کراہت اور نفرت کے ساتھ عالم مجبوری میں لکھی ہیں - باوجود اس وجہ موجہ کے اگر کوئی شیخ کی تقدس مآبی پر ان ہزلیات کے بہانہ نکتہ چینی کرے تو وہ منصب خرد سے معذور ہے +

ہم کہتے ہیں کہ اگر شیخ نے یہ مجموعہ عالم مجبوری میں نہ بھی لکھا تھا تو بھی ہم اُسپر الزام نہیں لگا سکتے تھے - وہ بشر تھا - فرشتہ نہ تھا - اور بشر کسی حالت میں بشریت سے خالی نہیں ہے - بے عیب صرف ذات خدا کی ہے - جہاں پھول ہے وہاں خار ہے - جہاں روشنی ہے - وہاں اندھیرا بھی ہے - اسیطرح جہاں شیخ کی دیگر تصانیف بے بہا ہیں وہاں ان ہزلیات اور مضحکات کو عین الکمال تصور کر لینا چاہیئے +

ملا حمید الدین سیالکوٹی جو لاہور میں عالمگیر کے بیٹے بہادر شاہ کا پرائیوٹ

سکرٹری تھا- اپنی ایک ضخیم کتاب گلشن ایران میں لکھتا ہے " ہزلیات سعدی کو دیکھ کر مجھے سخت تعجب ہوا کہ ایسا مہذب فاضل کبھی ایسے فحش اور ہزل کو پسند نہیں کرسکتا * * * مگر تحقیق سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ شرارت نورجہاں کی ہے- اُس نے چند شیرازیوں کو پوشیدہ بلاکر یہ ہزلیات کہلوائیں اور سعدی کی تصنیفات کے ساتھ شریک کر دیا- جسکی شہرت اور عظمت تمام ہندوستان و ایران میں پھیل رہی ہے- جو لوگ کہ اس مشورہ میں نورجہاں کے ساتھ شریک تھے اُن میں سے مجھے صرف دو کا نام معلوم ہوا ہے- ایک کو علی نقی اور دوسرے کو علی حیدر کہتے تھے- اِن دونوں شرارت پیشہ انفاس نے ہزلیات بڑی کوشش سے ایک بڑی جماعت کے مشورہ سے تصنیف کیں اور ہزاروں روپے نقلنویسوں کو دے کر نقل کرائیں اور مختلف ملکوں میں تقسیم کرادیں یہ مجھے تحقیق ہوا ہے کہ پہلے سعدی کی ہزلیات کا نام ونشان وبھی نہ تھا- نورجہاں کے وقت سے یہ صورت پیش آئی ہے * یعنے نورجہاں نے جو کٹی شیعہ تھی یہ تجویز اس لئے نکالی کہ سعدی پر جو سُنت جماعت تھا- تبرّیٰ کہنے کا موقع لوگوں کو ہاتھ آجائے *

سید انشا نے جو ایک مشہور شاعر اُردو زبان کا ہوا- ہزلیات کی نسبت یوں رائے زنی کی ہے " جہانتک مَیں نے تحقیق کیا ہے- مجھے یہ نہیں معلوم ہوا کہ ہزلیات شیخ سعدی کی ہیں- اسلئے کہ علاوہ مورخوں کی بے تعداد شہادتوں کے علماً ایک نظر ہزلیات کی نظم و نثر اور عربی عبارت پر بھی ڈالنی چاہئے جسقدر کلام ہے- سب بے ربط اور خلاف محاورہ یا ترس ہے اگر اسکو بامحاورہ بھی کہیں تو یہ زبان نہایت کرخت اور اس میں بہت سے محاورہ ایسے ہیں کہ وہ اس زمانہ میں رائج نہ تھے- معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیر کے میرمنشی نعمت خان عالی نے یہ حکمت کی ہے کہ مذہبی دشمنی کیوجہ سے اُس نے بدنام کرنے کے لئے سعدی کے دامن عزت پر یہ دھبہ لگایا ہے "*

پندنامہ یعنے کریما اگرچہ نفس مضمون کے خیال سے اعلےٰ درجہ کی کتاب

اخلاق میں ہے مگر اُس میں وہ دلفریبی۔ نزاکت اور جادو نہیں ہے جو شیخ کے دوسرے کلام میں ہے۔ میرے خیال میں یا تو شیخ نے دیدہ و دانستہ اُسکو کم سن بچوں اور نوعمر لڑکوں کے لئے ایسا بنایا ہے۔ یا بجز طبیعت کی حالت میں کہا ہے۔ شاعر کا خیال کسی وقت اوج عیوق پر ہوتا ہے تو کسیوقت تحت الثریٰ میں، اور بعینہ اِس شعر کا مصداق ہوتا ہے ؎

گہے بر طارم اعلےٰ نشینم
گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

شیخ کی نظم میں بوستان سب سے زیادہ مشہور ہے۔ میرے خیال میں شاہنامہ کے سوا اور کوئی کتاب بوستان سے زیادہ فارسی نظم میں مقبول نہیں ہوئی بوستان کی شہرت اور مقبولیت ایران۔ ترکستان۔ تاتار۔ افغانستان اور ہندوستان ہی تک محدود نہیں بلکہ یوروپ میں بھی عزت کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے اولے ایربس نے بوستان کا ترجمہ جرمن میں کیا۔ اِس کے بعد اِچ گراف نے بوستان کا ترجمہ جرمن میں ۱۸۵۰ء میں کیا یہ دو جلدوں میں تھا اور اُس کا نام اُس نے لسٹ گارٹین رکھا۔ بوستان کا ترجمہ انگریزی زبان میں کپتان ایچ کلارک رائل انجنیر نے ۱۸۷۹ء میں نہایت عمدہ اور مفصل کیا ہے اور حال میں میجر میکنن نے بوستان کی چند حکایات کا ترجمہ انگریزی میں نظم کیا ہے اور اُس کا نام فلورز فرام دی بوستان رکھا ہے۔ اگرچہ بوستان نے اعلےٰ درجہ کی مقبولیت حاصل کی ہے اور جہانتک ہمارے فہم کا دخل ہے۔ یہ کتاب عیوب سے مبّرا ہے۔ پھر بھی اس برگزیدہ خلائق نے نہایت عجز و انکسار کے ساتھ بوستان کے دیباچہ میں لکھا ہے ؎

تو نیز ار بدی بینیم در سخن	بخلق جہاں آفریں کار کُن
چو بیتے پسند آیدت از ہزار	بمردیکہ دست از تعنت بدار

بوستان شیخ نے ۶۵۵ھ میں تصنیف کی۔ جیسا کہ اُس نے دیباچہ

میں لکھا ہے ؎

زششصد فزوں بود پنجاہ و پنج
کہ پُردُر شد ایں نامبردار گنج

بوستاں کے "شمائل" اور طرزِ تحریر میں مفصلہ ذیل خصوصیتیں ہیں :-

(۱) بوستاں میں ہر حکائت سے کوئی نہ کوئی مورل یا اخلاقی نتیجہ یا نصیحت نکلتی ہے مثلاً

حکایت

یکے پندمے داد فرزند را | نگہدار پند خردمند را
مکن جور برخردگاں اے پسر | کہ یک روز افتد بزرگی زسر
نمی ترسی اے کودک کم خرد | کہ روزے پلنگیت برہم درد
بخردی درم زور سرپنجہ بود | دل زیردستاں زمن رنجہ بود
بخوردم یکے مشت زورآوراں | نکردم دگر زور بر لاغراں

(۲) بوستاں میں شیخ نے سوپر نیچرل (فوق العادت) باتوں کو تمثیل بناکر نصیحت کا ذریعہ نہیں بتایا۔ بلکہ ایسی ایسی تمثیلیں لی ہیں جو روزمرہ مشاہدہ میں آتی ہیں مثلاً

حکایت

برہ دریکے پیشم آمد جواں | بتگ درپیش گوسفندے رواں
بدو گفتم ایں ریسمانست و بند | کہ مے آرد اندر پئیت گوسپند
سبک طوق و زنجیر ازو باز کرد | چپ و راست پوئیدن آغاز کرد
برہ ہمچناں درپیش میدوید | کہ جو خوردہ بود از کف مرد و خوید
چو باز آمد از عیش و بازی بجاے | مرا دید و گفت اے خداوند راے
نہ ایں ریسماں مے برد با منش | کہ احسان کمندیست در گردنش
بلطفے کہ دیدست پیل دماں | نیارد ہمے حملہ بر پیلباں

بداں را نوازش کن اے نیک مرد — کہ سگ پاس دارد چو نانِ تو خورد

برآں مرد کُند ست دندان یوز — کہ مالد زباں بر پنیرش دو روز

(۳) بوستاں میں شیخ نے پند و موعظت میں کہیں کہیں ظرافت اور خوش طبعی کے نمک کی چاشنی بھی دے کر کلام کو چٹپٹا اور مرغوب طبع بنایا ہے۔ مثلاً

حکایت

مرا حاجئے شانہ عاج داد — کہ رحمت بر اخلاق حجاج باد

شنیدم کہ بارے سگم خواندہ بود — کہ از من بنوعے دلش ماندہ بود

بینداختم شانہ کیں استخواں — نمے بایدم دیگرم سگ مخواں

مپندار چوں سرکہ خود خورم — کہ جور خداوند حلوا برم

قناعت کن اے نفس بر اندکے — کہ سلطان و درویش بینی یکے

چرا پیش خسرو بحاجت بری — چو یکسو نہادی طمع خسروی

(۴) بوستان میں شیخ نے ریاکاروں اور زمانہ سازوں کی خوب ہی کفش کاری کی ہے۔ جو لوگ دکھاوے کے لئے عابد و زاہد بنجاتے ہیں۔ انہیں خوب ہی آڑے ہاتھوں لیا ہے اور پھر لطف یہ ہے کہ اُسکی نصیحتیں فقیہوں اور اخلاقیوں کیطرح تلخ اور بدمزہ معلوم نہیں ہوتیں اور حدود شرع میں بھی محدود رہتی ہیں مثلاً

حکایت

شنیدم کہ مردے براہ حجاز — بہر خطوہ کردے دو رکعت نماز

چناں گرم رو در طریق خدا — کہ خار مغیلاں نکندے زپائے

بہ آخر ز وسواس خاطر پریش — پسند آمدش در نظر کار خویش

بہ تلبیس ابلیس در چاہ رفت — کہ نتواں ازیں خوبتر راہ رفت

گرش رحمتے حق نہ دریافتے — غرورش سر از جادہ برتافتے

یکے ہاتف از غیب آواز داد — کہ اے نیکبخت مبارک نہاد

مپندار گر طاعتے کردہ — کہ نزلے دریں حضرت آوردہ

به احسانے آسودہ کردن دلے — به از الف رکعت بهر منزلے

(۵) جہاں کہیں تشبیہ یا استعارہ استعمال کرتا ہے۔ وہاں نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے زود فہم اشیاء کو انتخاب کرتا ہے تاکہ اُس سے عبارت مُبہم نہو جاوے۔ بلکہ مضمون کا زور دوبالا ہوجاوے۔ مثلاً

رعیت چو بیخ است و سلطاں درخت
درخت اے پسر باشد از بیخ سخت

(۶) مبالغہ کو حد اعتدال سے تجاوز نہیں ہونے دیا مثلاً

میانے دو کس دشمنی بود و جنگ — سر از کبر بر یکد گر چوں پلنگ
ز دیدار ہم تا بحدے رماں — کہ بر ہر دو تنگ آمدے آسماں

(۷) شیخ نے قانون قدرت کو تعلیم اخلاق کے لئے ذریعہ ٹھیرایا۔ تاکہ نصیحت جلد دل نشین اور کارگر ہو۔ مثلاً

پلیدی کند گربہ بر جائے پاک — چو زشتش نماید بپوشد بہ خاک
تو آزادی از ناپسندیدہ ہا — نترسی کہ بر وے فتند دیدہ ہا

(۸) شیخ نے حسن تاویل اور لطف استدلال کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ نبھایا ہے۔ مثلاً

شنیدی کہ در روزگار قدیم — شدے سنگ در دست ابدال سیم
نہ پنداری ایں قول معقول نیست — چو قانع شدی سیم و سنگت یکیست

بادی النظر میں یہ بات فوق العادت معلوم ہوتی ہے کہ ابدال کے ہاتھ میں پتھر چاندی ہو جاتے ہیں۔ مگر شیخ نے اسکی نہایت خوبی کے ساتھ تاویل کی ہے کہ جو لوگ قانع ہوتے ہیں اُن کے نزدیک پتھر اور چاندی میں فرق نہیں ہوتا +

(۹) شیخ نے واقعات کا بیان اس حسن و لطافت کے ساتھ کیا ہے کہ جس سے اُس واقعہ کی تصویر ہو بہو آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔ مثلاً

چناں قحط سالے شد اندر دمشق — کہ یاراں فراموش کردند عشق

چناں آسماں بر زمیں شد بخیل | کہ لب تر نکردند زرع و نخیل
بخوشید سرچشمہ ہائے قدیم | نماند آب جز آب چشم یتیم
نبودے بجز آہ بیوہ زنے | اگر برشدے دودے از روزنے
چو درویش بے برگ دیدم درخت | قوی بازوان سست و درماندہ سخت
نہ بر کوہ سبزی نہ در باغ شخ | ملخ بوستاں خوردہ مردم ملخ

شیخ کی تمام تصنیف میں سے گلستاں سب سے زیادہ مشہور ہے۔ واقعی اسکو شیخ کی تمام کلام کا خلاصہ۔ ست اور عطر کہنا چاہئے۔ میرے خیال میں فارسی یا انگریزی زبان میں کوئی کتاب گلستاں سے بڑھ کر مقبول نہیں ہوئی ایشیا میں یہ کتاب اسقدر مطبوع خاص و عام ہے کہ بچپن سے لیکر بڑھاپے تک اس کے مطالعہ کا شوق رہتا ہے۔ گلستاں کی عظمت کا بہت عمدہ ثبوت یہ ہے کہ تقریباً یورپ اور ایشیا کی ہر زبان میں اسکا ترجمہ ہوا ہے باوجودیکہ اس میں نہ تو عجیب و غریب افسانہ ہیں۔ نہ گل و بلبل کے ترانہ ہیں۔ نہ غزلیات عاشقانہ ہیں۔ نہ قول خوشانہ ہیں پھر بھی لوگ اسیر دل و جان سے فدا ہیں اسکے اشعار لوگوں کو ازبر ہیں اور اسکے پھڑکتے ہوئے فقرہ معاملات روزمرہ میں استعمال کرتے ہیں۔ جہانتک ہمکو دریافت ہوا ہے۔ گلستان کے ترجمہ مفصلہ ذیل زبانوں میں ہوئے ہیں:-

(۱) جنٹس نے گلستان کا ترجمہ لیٹن (لاطینی) زبان میں کیا جو امسٹرڈم میں چھپا +

(۲) مالنیسر ڈورایر کانسل فرانس مقیم اسکندریہ نے گلستان کو فریخ زبان میں ترجمہ کیا اور یہ ترجمہ سنہ ۱۶۳۴ء میں پیرس میں چھپا +

(۳) مانسیر گاڈین نے سنہ ۱۷۸۹ء میں گلستان کو فرنچ میں ترجمہ کیا +

(۴) سمالٹ صاحب نے سنہ ۱۸۸۹ء میں گلستاں کو فرنچ میں ترجمہ کیا +

(۵) اوٹے ایرلنس نے گلستان کو جرمن میں ترجمہ کیا اور یہ ترجمہ بالتصویر سب سے

اول سنہ ۱۶۵۴ء میں سینروگ میں شایع ہوا +

(۶) ایچ گراف نے سنہ ۱۸۴۶ء میں گلستاں کو جرمن میں ترجمہ کیا +

(۷) سنہ ۱۶۵ء میں گلستان کا ترجمہ ڈچ زبان میں ہوا +

(۸) مسٹر گلیڈون نے سنہ ۱۸۰۸ء میں اس کا ترجمہ انگریزی میں کیا +

(۹) راس صاحب نے ایشیاٹک سوسائٹی لنڈن کی فرمایش سے اس کا ترجمہ انگریزی میں کیا +

(۱۰) ایسٹوک صاحب نے سنہ ۱۸۵۲ء میں گلستان کا ترجمہ ہرٹ فورڈ سے شایع کیا اس ترجمہ میں یہ خوبی ہے کہ نثر کا ترجمہ نثر میں اور نظم کا ترجمہ نظم میں کیا گیا ہے +

(۱۱) سنہ ۱۸۷۱ء میں جان پلیٹس انسپکٹر مدارس ممالک متوسط نے گلستان کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیا اور شروع میں حیات سعدی بھی لکھی ہے +

(۱۲) ہندوستان میں سب سے پہلے میر شیر علی افسوس نے مارکوئیس آف ویلزلی کے عہد میں گلستان کا اردو میں ترجمہ کیا +

(۱۳) ایک بنگالی نے اسکا ترجمہ بنگالی میں کیا ہے +

(۱۴) ایک پارسی جنٹلمین نے اسکا ترجمہ گجراتی میں کیا ہے +

(۱۵) پنڈت تہرچند نے گلستاں کو فارسی سے بہاشا میں ترجمہ کیا ہے اور اسکا نام پشوپ بن رکھا ہے +

(۱۶) علاوہ ان ترجموں کے گلستان کے کئی اڈیشن مختلف یوروپین صاحبان نے چھپوائے ہیں + ان سایکلوپیڈیا برٹینیکا میں لکھا ہے کہ مسٹر ہیرنگٹن نے سنہ ۱۷۹۱ء میں کلیات سعدی چھپوائی تھی +

(۱۷) اکثر فضلاء و علماء نے شیخ کے اشعار کا ترجمہ عربی میں کیا ہے۔ فضل اللہ بن عبداللہ شیرازی نے تاریخ وصاف میں لکھا ہے ؎

نثثت لہ ہل انت مسک وعنبر

فانی من ایاک سکران معتذر

اجاب بانی کنت ضیاً مذ لا
فجالست للورد الجنی بمعهد
فانز فی خلقی کمال مجالسی
والا انا التراب الذی کنت فید

یہ شیخ کے مفصلۂ ذیل قطعہ کا لفظی ترجمہ ہے ؎

گلے خوشبوئے در حمام روزے | رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری | کہ از بوئے دلآویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم | ولیکن مدتے با گل نشستم
جمال ہمنشیں در من اثر کرد | وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

(۱۸) جبرئیل نامی ایک مصر کے ادیب نے گلستان کا ترجمہ فصیح عربی میں کیا اور وہی التزام کیا نثر کا ترجمہ نثر میں اور نظم کا نظم میں کیا +

(۱۹) سلطان حمید کے بھائی رشاد پاشا نے گلستاں کا ترجمہ ترکی زبان میں کیا +

(۲۰) قطع نظر ان کے اور سینکڑوں ترجمے گلستاں کے ہوئے ہیں مثلاً سُنا جاتا ہے کہ حال میں روسی زبان میں بھی اسکا ترجمہ ہوا ہے +

بیشتر اسکے کہ ہم گلستاں کی چند خوبیاں بیان کریں جس کے باعث یہ نہایت مقبول ہوئی۔ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ چند مشاہیر کی آراء کا خلاصہ گلستان کے بارہ میں یہاں پر ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے +

امیر حسن دہلوی فرماتے ہیں ؎

حسن گلے ز گلستان سعدی آوردہ است
کہ اہل دل ہمہ گلچیں زیں گلستان اند

مسٹر گوراوسلی صاحب لکھتے ہیں:۔ گلستاں کا ترجمہ جو کہ مشہور فاضل جنٹیس نے لاطینی

میں کیا تھا۔ اس نے مدتوں یوروپ کے اہل علم و ادب کو شیخ کے خیالات پر فریفتہ کیا ہے +

پلیٹس صاحب لکھتے ہیں کہ وہ کتاب جسکی بدولت سعدی شیرازی نے بقاے دوام اور شہرت عام کا تاج سر پر رکھا گلستاں ہے +

سر ولیم اوسلی صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں کہ شیخ کی شہرت ایک عالیشان عمارت ہے جسکی بنیاد گلستاں ہے +

سر رابرٹ بینگ صاحب لکھتے ہیں کہ سعدی بلا کا لکھنے والا شخص ہے چنانچہ اسکی تصنیف کے تتبع اور تقلید کی سینکڑوں نے کوشش کی ہے مگر ایک کو بھی کامیابی حاصل نہیں ہوئی +

قاآنی نے پریشان کے دیباچہ میں گلستاں کی نسبت لکھا ہے "شیخ کی گلستاں ایک باغ ہے۔ جس کے ہر پھول کی ایک ایک پتی کے ہزار فو بہشت غلام ہیں اور اہل معنی کی جان قیامت تک اسکی حیات بخش خوشبو سے زندہ ہے"

ہماری راے میں معاش اور معاد دونوں کے تعلقات کیواسطے گلستاں سے بڑھ کر کوئی کتاب مفید نہیں۔ گلستاں بچوں کے لئے استاد شفیق ہے جوانوں کے لئے ناصح مشفق اور بوڑھوں کے لئے یار مددگار ہے۔ گلستاں ہر زمانہ میں ہر دلعزیز رہی اور اگر نظر انصاف سے دیکھا جاوے تو قرآن حمید اور بائبل کے بعد جو شہرت گلستاں نے حاصل کی ہے وہ کسی کتاب کو نصیب نہیں ہوئی +

اگرچہ گلستاں الف سے لیکر ی تک خوبیوں سے بھری ہوئی ہے۔ لیکن ہم چند خاص خوبیاں بطور نمونہ اس جگہ درج کرتے ہیں +

اول :۔ گلستان کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے ہزارہا جملے۔ اشعار اور مصرع ضرب المثل ہو گئے ہیں مثلاً

(۱) ——— حاجت مشاطہ نیست روئے دلآرام را +

(۲) ——— عاقبت گرگ زادہ گرگ شود +

(۳)— آنانکہ غنی تر اند محتاج تر اند +

(۴)— کوفتہ را نان تہی کوفتہ است +

(۵)— کو خویشتن گم است کرا رہبری کند +

(۶)— باطل است آنچہ مدعی گوید +

(۷)— عطائے تو بہ لقائے تو بخشیدم +

(۸)— مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں +

(۹)— بدوزد طمع دیدہ ہوشمند +

(۱۰)— ناز برآں کن کہ خریدار تست +

(۱۱)— نہ محقق بود نہ دانشمند +

چارپائے برو کتابے چند +

(۱۲)— مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید +

(۱۳)— پراگندہ روزی پراگندہ دل +

(۱۴)— قدر عافیت کسے داند کہ بمصیبتے گرفتار آید +

(۱۵)— مور ہماں بہ کہ نباشد پرش +

(۱۶)— گربۂ مسکیں اگر پر داشتے +

تخم کنجشک از جہاں برداشتے +

(۱۷)— کس نیاموخت علم تیر از من +

کہ مرا عاقبت نشانہ نہ کرد +

(۱۸)— دشمن چہ کند چو مہرباں باشد دوست +

(۱۹)— در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس +

(۲۰)— صیاد نہ ہر بار شکارے ببرد +

باشد کہ یکے روز پلنگش بدرد +

(۲۱)— خطائے بزرگاں گرفتن خطاست +

(۲۲) ——— کہ بسیار خوار است بسیار خوار +

(۲۳) ——— بر رسولاں بلاغ باشد وبس +

(۲۴) ——— میراث پدر خواہی علم پدر آموز +

(۲۵) ——— اندک اندک شود بہم بسیار +

(۲۶) ——— جور اُستاد بہ از مہر پدر +

(۲۷) ——— خاک شو پیش از انکہ خاک شوی +

(۲۸) ——— دشمن نتواں حقیر وبیچارہ شمرد +

(۲۹) ——— سر مانداری سر خویش گیر +

(۳۰) ——— اگر خاکی نباشد آدمی نیست +

دوم :- گلستاں کی عبارت اس شان وشوکت کی ہے کہ اُسکی فصاحت اور بلاغت کے سامنے بڑے بڑے نثاروں نے سر جھکایا ہے اور بڑے بڑے منشیوں نے اُسکے تتبع سے عاجز رہنے کا اقرار کیا ہے مثلاً "از بستر نرمش بر خاکستر گرمش نشانند" ایسا فقرہ لکھنا ہر ایک کا کام نہیں ہے +

سوم :- گلستاں کی بنیاد محض اخلاقی پند وموعظت پر رکھی گئی ہے اور یہ مضمون ہمیشہ پھیکا سا ہوتا ہے - بلکہ اکثر ذائقوں کو تلخ معلوم ہوتا ہے - اس لئے اکثر مُصنف اسپر ناول وناٹک کی چاشنی چڑھا کر یا فرضی قصّوں کا نمک مرچ لگا کر خوشگوار بناتے ہیں شیخ نے گلستاں میں صاف اور کھلم کھلا طور پر نصیحت کی ہے اور پھر اس سادگی میں وہ لُطف رکھا ہے کہ اُسکا کلام مطبوع طبائع خاص وعام ہو ہے +

چہارم :- گلستاں کے اشعار- فقرات اور ابیات کو اکثر منشیوں نے اپنی تصانیف میں بطور "کوٹیشن" استعمال کر کے اپنی کلام کو زینت دی ہے +

پنجم :- گلستاں میں شیخ نے غلو اور اغراق سے حتی المقدور اجتناب کیا ہے اور فوق العادت باتوں سے خصوصیت کے ساتھ پرہیز کیا ہے +

ششم :- اگرچہ نصف سے زیادہ گلستان کے فقرہ مسجع ومقفیٰ ہیں مگر یہ صنعت

لطف آمد ہے۔ نیر تکلفے آورد نہیں۔ یعنے اُس نے طبیعت پر زور ڈال کر لغت بھائی نہیں کی ہے بلکہ جودت طبع سے جو بات خود بخود ذہن میں آئی۔ وہی بے ساختہ لکھ ڈالی ہے +

ہفتم:۔ شیخ نے گلستاں میں بال کی کھال کھینچی ہے اور تمام باتوں سے دقیق معنے اخذ کئے ہیں اور دقیق باتوں کو ایسے پیرایہ میں بیان کیا ہے کہ معمولی سمجھ کے آدمی بھی انہیں سمجھ سکتے ہیں +

ہشتم:۔ گلستاں میں شیخ نے قانون قدرت کو تعلیم و تربیت کا ذریعہ ٹھیرایا ہے +

نہم:۔ گلستاں میں شیخ نے یہ خوبی رکھی ہے کہ جب کسی خاص فرقہ کو اُس کے عیب پر متنبہ کرنا چاہتا ہے تو اپنے آپ کو مشارُالیہ بنا کر اپنی ہی سرگذشت لکھنی شروع کردی ہے۔ چنانچہ اس حکمت عملی سے اُس کی کتاب ہر فرقہ اور ہر گروہ میں ہر دلعزیز ہوگئی ہے اور اُسمیں جو نصیحتیں درج ہیں وہ کسی کو بھی کڑوی اور ناگوار نہیں معلوم ہوتیں +

قصہ مختصر فقروں کی برجستگی۔ الفاظ کی شُستگی۔ استعارات کی نفاست اور تشبیہات کی لطافت۔ پند و موعظت کی خوبی۔ اور مضامین کی ندرت اور دلفریبی حسن بیان اور لُطف ادا حسن تاویل اور حکمت استدلال کی لیاقت کے لحاظ سے گلستاں ایک ایسا لہلہاتا ہوا سدا بہار باغ ہے۔ جس میں سینکڑوں نہریں دودھ اور شہد کی رواں ہیں۔ جس میں سینکڑوں فوارہ آبحیات کے چل رہے ہیں۔ جیکے پتے پتے سے سینکڑوں بہشت نثار ہو رہے ہیں +

دُنیا میں دو قسم کے اشخاص ہیں۔ ایک تو حق پسند ہیں اور دوسرے وہ جو حسد اور رشک کے پتلے ہیں جو خوبیوں کو دیکھ کر جل کر خاک ہو جاتے ہیں اور ہمیشہ اسی تلاش میں رہتے ہیں کہ کوئی بُرائی نظر آئے تاکہ اُسے الم نشرح کرکے دل ٹھنڈا کریں۔ چنانچہ اس قماش کے لوگوں نے چند اعتراض بھی گلستاں پر کئے ہیں۔ ہماری رائے میں یہ سب اعتراض واہی اور بے سر و پا ہیں۔

ہم بطور نمونہ چند یہاں درج کرتے ہیں:-

(۱) شیخ نے گلستان کی پہلی حکایت میں لکھا ہے "دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز" اسپر اکثر نکتہ چین یہ کہتے ہیں کہ جھوٹ کبھی مصلحت آمیز نہیں ہو سکتا ہم کہتے ہیں کہ معترضوں نے شیخ کے مطلب کو نہیں سمجھا۔ شیخ نے آٹھویں باب میں ذاتی اغراض کے لئے جھوٹ بولنے کو بہت بُرا بتایا ہے۔ شیخ نے اس حکایت میں یہ ظاہر کیا ہے کہ اُس خاص موقع پر جھوٹ بولنا سچ سے بہتر تھا اور وہ موقع ایسا تھا کہ جھوٹ بولنے سے جوانمردی میں فرق نہ آتا تھا۔ اس اعتراض کی نسبت ہم مفصل بحث اسی کتاب میں پیشتر کر چکے ہیں +

(۲) شیخ کا ایک شعر ہے ؎

شمشیر نیک ز آہن بد چوں کند کسے

ناکس بہ تربیت نشود اے حکیم کس

اسپر یہ اعتراض ہے کہ اگر اس مضمون کو مسلمہ تصور کر لیں۔ تو تعلیم و تربیت قانون و مذہب اور تمام سیاستیں فضول اور بیکار ہوتی ہیں۔ یہ بات من وعن درست ہے تعلیم اور تربیت سے جبلت صرف عارضی طور پر بدل جاتی ہے اور جو اصلیت ہے وہ کبھی نہیں زائل ہوتی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے ایک یورپین شکاری نے ایک بہت چھوٹا بچہ چیتے کا جنگل میں پکڑا اور اُسے کُتے کیطرح دودھ سے پرورش کیا۔ اور گوشت کی بو تک نہ سنگھائی۔ آخر یہ بچہ جب بڑا ہو گیا تو اُس شکاری کے ساتھ ساتھ کُتے کیطرح رہتا تھا اور تمام خصلتیں کُتے کی اُس میں موجود تھیں لوگ یہ معاملہ دیکھ کر سخت حیران ہوتے تھے۔ ایکدن شکاری گھر میں بیٹھا ہوا ایک کتاب مطالعہ کر رہا تھا۔ اور یہ چیتا پاس بیٹھا ہوا کُتے کی طرح اُس کا پاؤں چاٹ رہا تھا۔ چیتے کی زبان خاردار ہوتی ہے۔ چاٹتے چاٹتے شکاری کے پاؤں سے خون نکل آیا۔ چیتے کے مُنہ میں خون لگنا تھا کہ اُسکی جبلت اُس میں عود کر آئی۔ فوراً غُرانے لگا اور دُم اُٹھا اُٹھا کر زمین پر مارنے لگا۔ آنکھیں مشعل

کی طرح روشن ہوگئیں اور قریب تھا کہ شکاری پر حملہ آور ہو اور ایک دو سیکنڈ میں اُسکو پھاڑ ڈالے - مگر خوبیٔ قسمت سے وہاں ایک بھری ہوئی بندوق رکھی تھی - جو شکاری نے معاً اُٹھالی اور چیتے کے مُنہ میں داغدی اور جان بچائی ورنہ کام تمام ہونے میں کوئی فرق نہ رہا تھا - اس مثال سے ظاہر ہے کہ

ناکس بہ تربیت نشود اے حکیم کس ✦

(۳) گلستاں میں شیخ نے لکھا ہے کہ ؎

در استانۂ سیمیں بمیخ زر بزنند
گماں مبر کہ یہودی شریف خواہد بود

یعنے یہودی کیسا ہی دولت مند ہو جائے شریف نہیں ہو سکتا اسپر یہ اعتراض ہے کہ اس بات سے کمال تعصب ترشح ہوتا ہے ✦ ہم کہتے ہیں کہ اس میں ذرہ بھر بھی تعصب نہیں ہے - اُن دنوں یہودی سے ہر جگہ نفرت کیجاتی تھی چنانچہ کئی بار وہ انگلستان سے جلا وطن کئے گئے ✦ شکسپیر کا مشہور ڈراما شائیلاک یہود کا ظاہر کرتا ہے کہ اُس زمانہ میں یہودی کیسی نفرت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے - اگر شیخ نے بھی اُن کی نسبت یہ لکھ دیا - تو کیا بُرا کیا - اُس زمانہ میں یہودی طرح طرح کے افعال شنیعہ کرتے تھے اور ہر جگہ حقارت کئے جاتے تھے قطع نظر اس کے فاتح قوم مفتوحہ قوم کو ہمیشہ حقیر ہی سمجھتی رہی ہے اہل یورپ کو دیکھو کہ آجکل باوصف اسقدر شائستگی کے ہندوستانیوں کو "کالا لوگ" کہہ کر پکارتے ہیں ✦

(۴) ایک یہ اعتراض ہے کہ سعدی نے گلستاں میں لکھا ہے کہ "سرہنگے را دیدم کہ بر در سرائے اغلمش ... الخ - اور اغلمش کوئی بادشاہ نہیں ہوا - ہم کہتے ہیں کہ شائد اغلمش سے مراد التمش ہوگی اور اگر نہ بھی ہو تو سعدی کوئی تاریخ نہیں لکھ رہا تھا کہ اس قسم کی باتوں کا پابند ہوتا ✦

(۵) شیخ نے گلستاں میں لکھا ہے کہ ایک مریض بادشاہ کے لئے بعض اطباء نے

ایسے آدمی کا پتا جو خاص صفات سے موصوف ہو - تجویز کیا تھا - معترض اسیر لال پیلے ہو کر یہ کہتے ہیں کہ یہ بات حال کی تحقیقات کے خلاف ہے ÷ ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ اعتراض ہے تو اُن طبیبوں پر ہے - جنہوں نے یہ تجویز کی - شیخ تو صرف راوئے تجویز ہے - قطع نظر اُس کے اگر شیخ نے پند و موعظت کیلئے ایک فرضی مثال درج کتاب کر دی تو کیا گناہ کیا - وہ علم حکمت و طبابت پر کتاب نہیں لکھ رہا تھا کہ اُس سے کسی قسم کے ہرج کا احتمال ہو ÷

(۶) شیخ نے گلستاں میں لکھا ہے ؎

راہ راست برو اگرچہ دور است
زن بیوہ مکن اگرچہ حور است

اسپر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ جب بیوہ سے شرعاً شادی جائز بلکہ مستحسن ہے تو اُس سے منع کرنے کے کیا معنے ؛ ہم کہتے ہیں کہ شیخ کی گلستاں کوئی فقہ کا فتاوٰی نہیں ہے شیخ نے یہ نہیں کہا کہ بیوہ سے شادی کرنا گناہ ہے یا خدا تعالےٰ اور رسول ؐ کے حکم کے خلاف اُس نے صرف اپنا ذاتی تجربہ بیان کیا ہے اُسکی رائے یہ ہے کہ بیوہ سے شادی نہ کرو - چاہے وہ حور ہی کیوں نہو - کیونکہ اوسے تجربہ سے دیکھ لیا تھا کہ ہمیشہ بیوائیں اچھی بیویاں نہیں بن سکتیں اور شیخ کے اس قول نصیحت کی قدر وہی لوگ جانتے ہیں جو بیوہ سے نکاح کر کے مزہ چکھ چکے ہیں ÷

(۷) گلستاں میں ایک شعر ہے ؎

نہ بر اشتر سوارم نہ چو اشتر زیر بارم
نہ خداوند رعیت نہ غلام شہر یارم

اس شعر پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ ناموزوں ہے - ہم یہ کہتے ہیں کہ ایسا شخص جس نے ہزاروں شعر کہہ ڈالے - کبھی ممکن ہے کہ عروض سے ناواقف ہو - یہ شعر بحر رمل مخبون فعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن ہے" ÷

مقتضہ مختصر جس قدر اعتراض ہیں سب فضول ہیں اور کم نظری کیوجہ سے ہیں؂

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

آسماں پر خاک ڈالو تو اپنے ہی منہ پر پڑتی ہے۔ یوں تو قرآن شریف پر لوگوں نے اعتراض کئے ہیں۔ مگر اعتراضوں کی جو وقعت ہوتی ہے۔ وہ اہل خرد پر خوب روشن ہے۔ کسی کے کئے ہوئے کام پر اعتراض کرنا بہت آسان ہے اور کام کرکے دکھانا بہت دشوار ہے*

ساتواں باب

پند سعدی

(۱) صحبت بد سے ہر حال میں پرہیز چاہئے۔ بدوں کی صحبت سے آدمی بد اور نیکوں کی صحبت سے نیک سمجھا جاتا ہے؂

بابداں کم نشیں کہ صحبت بد گرچہ پاکی ترا پلید کند

ایضاً

باں بداں یار گشت ہمسر لوط خاندانِ نبوتش گم شد
سگِ اصحاب کہف روزے چند پئے نیکاں گرفت و مردم شد

(۲) جو شخص بد اصل ہے اس سے کبھی نیکی اور بھلائی کی امید نہ رکھنی چاہئے؂

عاقبت گرگ زادہ گرگ شود گرچہ با آدمی بزرگ شود

ایضاً

ابر گر آب زندگی بارد ہرگز از شاخ بید بر نخوری
با فرومایہ روزگار مبر کز نئے بوریا شکر نخوری

ایضاً

شمشیر نیک ز آہن بد چون کند کسے ناکس بتربیت نشود اے حکیم کس
باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

ایضاً

زمین شورہ سنبل بر نیارد درو تخم عمل ضائع مگرداں
نکوئی با بداں کردن چنانست کہ بد کردن بجائے نیک مرداں

(۴) فضول خرچی بُری بلا ہے۔ کفایت شعاری سے انسان دولتمند ہو جاتا ہے اور جو اپنا روپیہ ضائع کرتا ہے۔ آخر کو دست تاسف ملتا ہے ؎

بریں عقل و دانش بباید گریست کہ آمد بود تو زدہ خرچ بیست

ایضاً

ابلہے کو روز روشن شمع کافوری نہد زود بینی کش بشب روغن نباشد در چراغ

(۴) جس شخص کا حساب پاک ہو اُسکو محاسبہ کا کچھ خوف نہیں ہوتا۔ انسان کو چاہئے کہ خود پاک رہے ؎

تو پاک باش برادر مدار از کس باک
زنند جامۂ ناپاک گازراں بر سنگ

(۵) انسان کو چاہئے کہ صراط مستقیم پر چلے اور راستی کو کبھی ہاتھ سے نہ دے ؎

راستی موجب رضائے خدا ست
کس ندیدم کہ گم شد از رہ راست

(۶) کسی حال میں امن صبر و استقلال کو ہاتھ سے نہ دینا چاہئے ؎

منشیں ترش از گردش ایام کہ صبر گرچہ تلخست ولیکن بر شیریں دارد

ایضاً

صبوری بود کار صاحبدلاں صبوری بود پیشۂ مقبلاں

(۷) مصیبت کے وقت کوئی کسی کا نہیں ہوتا اور آسودگی اور مرفع الحالی کیوقت

اکثر دوست بنجاتے ہیں۔ مگر دوست وہی ہوتا ہے کہ مصیبت کیوقت کام آوے

نہ بینی کہ پیش خداوند جاہ — ستائیش کناں دست بر بر نہند
اگر روزگارش در آید زپاے — ہمہ عالمش پاے بر سر نہند

الیضاً

دوست مشمار آنکہ در نعمت زند — لاف یاری و برادر خواندگی
دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست — در پریشاں حالی و در ماندگی

(۸) کسی کا دل نہیں دُکھانا چاہئیے ؎

حذر کُن ز دودِ درونہاے ریش — کہ ریش درون عاقبت سر کند
بہم بر مکن تا توانی دلے — کہ آہے جہانے بہم بر کند

الیضاً

چراغیکہ بیوہ زنے بر فروخت — بسے دیدہ باشی کہ شہرے بسوخت

الیضاً

تا توانی درون کس مخراش — کاندریں راہ خارہا باشد
کار درویش مستمند برار — کہ ترا نیز کارہا باشد

(۹) دوست کو اتنی قوت نہ دے کہ اگر دشمنی کرنے پر آئے تو تیرا کچھ بگاڑ نہ سکے۔

دوست راچنداں قوت مدہ
کہ اگر چہ دشمنی کند تواند

(۱۰) اپنی لیاقت علمیت اور فضیلت پر نازاں نہیں ہونا چاہئیے۔ کیونکہ بخت و دولت تائید ایزدی کے بغیر حاصل نہیں ہوتی ؎

بخت دولت بکار دانی نیست — جز بتائید آسمانی نیست
کیمیا گر بغصہ مردہ و برنج — ابلہ اندر خرابہ یافتہ گنج +
اوفتادا ست درجہاں بسیا — بے تمیز ارجمند عاقل خوار۔

(۱۱) چغلخور۔ غیبت گو۔ اور غلام کو مُنہ مت لگا ؎

ہر کہ عیب دگراں پیش تو آورد و شمرد
بیگماں عیب تو پیش دگراں خواہد برد

(۱۲) بُری عادتوں سے پرہیز کرنا چاہیئے ؎

خوے بد در طبیعتے کہ نشست
نرود جز بوقت مرگ از دست

(۱۳) قناعت سے بڑھکر دُنیا میں کوئی شئے نہیں ؎

اے قناعت تونگرم گرداں کہ وراے تو ہیچ نعمت نیست
کُنج صبر اختیار لقمان است ہر کرا صبر ہست حکمت نیست

(۱۴) کمینوں کا احسان نہیں اُٹھانا چاہیئے ؎

ہر چہ از دوناں بہمت خواستی در تن افزودی واز جاں کاستی

الیضاً

اگر حنظل خوری از دست خوشخو بہ از شیرینی از دست ترشرو

(۱۵) روپیہ اگر جمع کیا ہے تو اُسکو کام میں لانا چاہیئے۔ اگر وہ کسی کام میں نہیں آتا تو اینٹ اور پتھر سے بدتر ہے ؎

"بُرائے نہادن چہ سنگ وچہ زر است"

الیضاً

از زر و سیم راحتے برساں خویشتن ہم تمتعے برگیر
ونگہ ایں خانہ گر تو خواہد ماند خشتے از سیم و خشتے از زر گیر

(۱۶) جبتک انسان خانہ نشین رہتا ہے۔ اُسکے تجربہ کو وسعت نہیں ہوتی ؎

تا بہ دوکان خانہ در گردی ہرگز اے خام آدمی نشوی
برو اندر جہاں تفرج کُن پیش ازاں روز کز جہاں بروی

(۱۷) خاموشی سے انسان بہت سی بازپرس سے محفوظ رہتا ہے۔ اور یہ ایک نہایت عمدہ صفت ہے ؎

نگفتہ ندارد کسے باتو کار
ولیکن چو گفتی دلیلش بیار

(۱۸) ایک بات کا ذکر بار بار نہیں دُہرانا چاہئیے ؎

سخن گرچہ دلبند و شیریں بود سزاوار تصدیق و تحسیں بود
چو یکبار گفتی مگو باز پس کہ حلوا چو یکبار خوردند بس

(۱۹) جب کوئی بات کرتا ہو تو اُسکی بات کو کاٹنا نہیں چاہئیے ؎

سخن را سرست اے خردمند و بُن میاور سخن درمیان سخن
خداوند تدبیر و فرہنگ و ہوش نگوید سخن تا نہ بینی خموش

(۲۰) انسان کو بچپن ہی سے ادب قواعد کا عادی ہونا چاہئیے ؎

ہر کہ در خوردیش ادب نکنند در بزرگی فلاح از و برخاست
چوب تر را چناں کہ خواہی پیچ نشود خشک جز بہ آتش راست

(۲۱) نالایق سے لیاقت کا کام بمشکل سرزد ہوتا ہے۔ اس لئے اُن کو اُن کی لیاقت اور تمیز کے بموجب کام سُپرد کرنا چاہئیے ؎

ندہد ہوشمند روشن رائے بفرومایہ کارہائے خطیر
بوریا باف گرچہ بافندہ است نبرندش بکارگاہ حریر

(۲۲) آسودگی حالت میں ایام سختی کے لئے ذخیرہ کرنا چاہئیے ؎

اے طبل بلند بانگ در باطن ہیچ +
بے توشہ چہ تدبیر کنی وقت بسیچ +

(۲۳) بخشش اگر حد اعتدال سے گذر جاوے تو اُس سے ضرر کا اندیشہ ہوتا ہے ؎

پسندیدہ است بخشایش ولیکن منہ بر ریش خلق آزار مردم
ندانست آنکہ رحمت کرد بر مار کہ ایں ظلم است بر فرزند آدم

(۲۴) دشمن کے شر سے کبھی بے خوف نہیں ہونا چاہئیے۔ اور اُسکو کبھی حقیر اور ناچیز نہیں سمجھنا چاہئیے ؎

دانی کہ چہ گفت زال بارستم گرد ‌ ‌ دشمن نتواں حقیر و بیچارہ شمرد

الیضاً

بروز معرکہ ایمن مشو زخصم ضعیف ‌ ‌ کہ مغز شیر برآرد چو دل زجاں برداشت

(۲۶) اپنے سے زور آور کے ساتھ لڑنا ایسا ہے جیسا کہ شیر کے ساتھ پنجہ کرنا اور تلوار کی دھار پر مکا مارنا ۔

جنگ و زور آوری مکن بامست ‌ ‌ پیش سرپنجہ در بغل نہ دست

الیضاً

ہر کہ با پولاد بازو پنجہ کرد ‌ ‌ ساعدِ سیمین خود را رنجہ کرد

(۲۷) رحم کا ہر ایک مستحق نہیں ہے ۔

ترحم بر پلنگِ تیز دنداں
ستمگاری بود بر گوسفنداں

(۲۸) جاہل کے ساتھ نشست و برخاست نہیں رکھنی چاہیئے ۔

زجاہل گریزندہ چوں تیر باش
میامیختہ چوں شکر شیر باش

(۲۹) بہت کھانا بیماری کا گھر ہے ۔ انسان کو چاہیئے کہ بھوک رکھ کے کھائے ۔

نہ چنداں بخور کز دہانت بر آید
نہ چنداں کہ از ضعف جانت برآید

(۳۰) علم کے بغیر خدا نہیں ملسکتا ۔ جہاں تک ہو سکے علم حاصل کرو ۔

بے علم چوں شمع باید گداخت
کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

(۳۱) تحمل اور عفو کا شیوہ اختیار کرنا چاہیئے ۔

گرگزندت رسد تحمل کن ‌ ‌ کہ بعفو از گناہ پاک شوی
اے برادر چو عاقبت خاک است ‌ ‌ خاک شو پیش ز انکہ خاک شوی

(۳۲) غصہ کا ضبط کرنا سب سے بڑی جوانمردی ہے ؎

نہ مرد است آں بنزدیک خردمند — کہ باپیل دماں پیکار جوید
بلے مرد آں کس است از روی تحقیق — کہ چوں خشم آیدش باطل نگوید

(۳۳) جہاں تک ہوسکے۔ عدل و انصاف کو ہاتھ سے۔ عدل سے نام قیامت تک زندہ رہتا ہے ؎

بس نامور بزیر زمیں دفن کردہ اند — کز ہستیش بروے زمیں یک نشاں نماند
آں پیر لاشہ را کہ سپردند زیر خاک — خاکش چناں بخورد کزو استخواں نماند
زندہ است نام فرخ نوشیرواں بعدل — گرچہ بسے گذشت کہ نوشیرواں نماند
خیرے کن اے فلاں و غنیمت شمار عمر — زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

(۳۴) عبادت پروردگار ضرور بجالانی چاہئے۔ وہ ذات پاک جس نے ہمیں انسان بناکر اشرف المخلوقات کا جامہ پہنایا ہے۔ بندگی کا مستحق ہے اور اس کے آگے سر جھکانا اور اس کے احسانوں کا شکریہ بجا لانا ہمارا فرض۔ ہمارا مقصد ہمارا مدعا ہے ؎

دوش مرغے بصبح مے نالید — عقل و صبرم ببرد و طاقت و ہوش
یکے از دوستان مخلص را — مگر آواز من رسید بگوش
گفت باور نداشتم کہ ترا — بانگ مرغے چنیں کند مدہوش
گفتم ایں شرط آدمیت نیست — مرغ تسبیح خواں و من خاموش

(۳۵) بڑے آدمیوں کی ملاقات وسیلہ کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اگر ان سے مستفید ہونے کی خواہش ہے تو پہلے وسیلہ پیدا کر لینا چاہئے ؎

در میر و وزیر و سلطان را — بے وسیلت مگرد پیرامن
سگ و درباں چو یافتند غریب — ایں گریباں گرفت و آں دامن

(۳۶) تمسخر اور استہزا سے پرہیز کرنا چاہئے۔ مزاح سے اکثر لڑائی ہوتی ہے اور انسان کا رعب و داب نہیں رہتا ؎

تو بر سر قدر خویشتن باش و وقار
بازی و ظرافت بندیماں بگذار

(۳۷) جو تجھ سے ڈرتا ہے تو بھی اُس سے خوف کرے

ازاں کز تو ترسد بترس اے حکیم وگر با چنو صد بر آئی بجنگ
ازاں مار بر پائے راعی زند کہ ترسد سرش را بکوبد بسنگ

(۳۸) جب کوئی بُرائی نظر آوے تو اُسکا ابتداء ہی میں انتظام اور تدارک کرنا چاہئیے اگر غفلت ہوگی تو پھر اُس کا انسداد نہیں ہو سکیگا ہے

درختیکہ اکنوں گرفت است پائے بہ نیروے شخصے بر آید زجائے
وگر ہمچناں روزگارے ہلی بگردونش از بیخ بر نگسلی
سرِ چشمہ شاید گرفتن بمیل چو پُر شد نشاید گذشتن بپیل

(۳۹) انسان کو چاہئیے کہ مغرور نہو۔ متکبر سے لوگ نفرت کرتے ہیں ہے

تکبر عزازیل را خوار کرد
بزندان لعنت گرفتار کرد

(۴۰) شیریں زبانی نسخۂ تسخیر ہے ہے

آسائش دو گیتی تفصیل ایں دو حرفست
با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

(۴۱) حرص سے انسان ذلیل و خوار ہو جاتا ہے ہے

ہر آنکس کہ در بند حرص اوفتاد دہد خرمنِ زندگانی بباد

ایضاً

حرص است کہ جملہ مرداں از آسایش بدر آرد و در رنج مدام اندازد

(۴۲) تواضع سے دوست بھی دشمن ہو جاتا ہے ہے

دلا گر تواضع کنی اختیار شود خلق دنیا تما دوستدار +
تواضع زیادت کند جاہ را کہ از مہر پر تو بود ماہ را +

(۴۳) جھوٹ بولنا بہت بُرا ہے ؎

کسے را کہ گردد زبانِ دروغ
چراغِ دلش را نہ باشد فروغ

(۴۴) بخیل کی حالت ہمیشہ قابل نفرت ہوتی ہے ؎

بخیل ار بود زاہد بحر و بر — بہشتی نباشد بحکم خبر
سخیاں زاموال بر میخورند — بخیلاں غمِ سیم و زر میخورند

(۴۵) ضعیفوں پر جفا و جور نہیں کرنا چاہئیے ؎

مکن بر ضعیفان بیچارہ زور
بیندیش آخر ز تنگئی گور

(۴۶) دنیا بے ثبات ہے۔ اسکی کسی بات پر تکیہ نہ کرنا چاہئیے ؎

ازیں پس مکن تکیہ بر روزگار — کہ ناگہ ز جانت بر آرد دمار

ایضاً

مکن تکیہ بر ملک دنیا و پشت — کہ بسیار کس چون تو پرورد و کشت

ایضاً

منہ دل دریں دیر ناپائدار — ز سعدی ہمیں یک سخن یاد دار

(۴۷) جو شخص تمہیں ظاہراً نیک معلوم ہو اسکی عزت کرو۔ غیب کا حال سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جانتا ؎

ہر کرا جامہ پارسا بینی — پارسادان و نیک مرد انگار
ور نہ دانی کہ در نہانش چیست — محتسب را درون خانہ چہ کار

(۴۸) ہر بات کے لئے محل اور موقع دیکھنا چاہئیے ؎

نہ در ہر سخن بحث کردن رواست
خطائے بزرگاں گرفتن خطاست

(۴۹) ایسی چیز میں دل نہیں لگانا چاہئیے کہ پھر اس سے دل اٹھانا دشوار ہو جائے ؎

نباید بستن اندر چیز و کس دل
کہ دل بر داشتن کاریست مشکل

(۵۰) جس قدر انسان لائق ہوتا ہے اُسیقدر اسمیں عجز و انکسار کی عادت ہوتی ہے ؎

فروتن بود ہوشمند گزیں
نہد شاخ پُر میوہ سر بر زمیں

(۵۱) انسان کو چاہیئے کہ ظاہری آرائش و زیبایش سے پرہیز کرے یہ باتیں عورتوں ہی کو زیب دیتی ہیں ؎

جامہ دیبا و صورتِ زیبا
ایں ہمہ زینتِ زناں باشد

(۵۲) جو شخص دکھاوے کی عبادت کرے وہ ریاکار اور بد شعار ہے ؎

کلیدِ درِ دوزخ است آں نماز
کہ در روئے مردم گذاری دراز

(۵۳) ایک آدمی کی حرکت ناشائستہ سے ساری قوم اور اُسکی صحبت کے لوگ بدنام ہو جاتے ہیں۔ ایک مچھلی سارے تالاب کو گندہ کر دیتی ہے ؎

چو از قومے یکے بیدانشی کرد نہ کہ را منزلت ماند مہ را
نمے بینی کہ گاوے در علف زار بیالائد ہمہ گاوان دہ را

(۵۴) اگر تو جوانمرد ہے تو حتے المقدور دشمنوں کا دل نہ دکھا ؎

شنیدم کہ مردان راہ خدا دلِ دُشمناں ہم نہ کردند تنگ
ترا کے مُیسّر شود ایں مقام کہ با دوستانت خلافست و جنگ

(۵۵) اگر تجھ کسی سے نقصان پہنچے تو رنجیدہ خاطر نہو اور رضائے خدا پر راضی رہ ؎

گر گزندت رسد ز خلق مرنج کہ نہ راحت رسد ز خلق نہ رنج
از خدادان خلاف دشمن و دوست کہ دل ہر دو در تصرف اوست

(۵۶) زمانہ سازی کے لئے متابعت اور فرماں برداری بادشاہ کی ہر حال میں مدنظر رہنی چاہیئے ؎

اگر شہ روز را گوید شب است ایں ۔ بباید گفت اینک ماہ و پرویں

(۵۷) بزرگوں کا نام ہمیشہ ادب کے ساتھ لینا چاہیے ؎

بزرگش نخوانند اہلِ خرد

کہ نام بزرگاں بزشتی برد

(۵۸) اپنے باپ دادا کا نام بدنام نہیں کرنا چاہیئے ؎

نام نیک رفتگاں ضایع مکن

تا بماند نام نیکت برقرار

(۵۹) بات کا انسان کو بڑا لحاظ چاہیئے - جائے لاکھ اور رہے ساکھ حاکم کو کسیکی خیانت سے تاوقتیکہ اپنے آپ کو یقین نہو جائے مطلع نہیں کرنا چاہیئے ؎

کمال است در نفس انساں سخن

تو خود را بگفتار ناقص مکن

(۶۰) ہر ایک چمکدار شئے سونا نہیں ہوتی - ہر ایک کی اصلیت اور جبلت معلوم کرنے کے لئے تجربہ درکار ہے ؎

تواں شناخت بیکروز از شمائل مرد ۔ کہ تا کجاش رسیدست پایگاہ علوم

ولے ز باطنش ایمن مباش غرہ مشو ۔ کہ خبث نفس نگردد بسالہا معلوم

(۶۱) جوانانِ سعادتمند نصیحت کو بہت دوست رکھتے ہیں - جسکو نصیحت سُننے کا شوق نہیں ہے وہ لایق ملامت ہے ؎

چوں نیاید نصیحتت در گوش

اگرت سرزنش کنم خاموش

(۶۲) وہ دوستی جو سالہا سال کی کمائی ہو - فوراً ضایع نہیں کرنی چاہیئے ؎

سنگے بچند سال شود لعل پارۂ
زنہار تا بیک نفسش نشکنی بسنگ

(۶۳) موت کے مُنہ میں جانا داناؤں کا کام نہیں ہے

بے اجل گرچہ کس نخواہد مرد
تو مرو در دہان اژدرہا

(۶۴) اگر ناصح مشفق نہ ملے تو بیوقوف کی بات پر یقین نہیں کرنا چاہیئے

کس نیاید بزیر سایۂ بوم
ورہما از جہاں شود معدوم

(۶۵) محسن کے ساتھ کبھی برائی سے پیش نہ آو۔ احسان کبھی کسی کا فراموش نہیں کرنا چاہیئے

مروت نباشد بدی با کسے
کزو نیکوئی دیدہ باشی بسے

(۶۶) بادشاہ کو چاہیئے کہ رعیت کی جان کا ہمیشہ نگران رہے۔ اور رعیت کو جان سے زیادہ عزیز رکھے

رعیت نشاید بہ بیداد کشت
کہ مر سلطنت را پناہ ہند و پشت

(۶۷) بادشاہ کو چاہیئے کہ دہقانوں کے ساتھ خاص رعایت کرے

مراعات دہقان کُن از بہر خویش
کہ مزدور خوشدل کند کار بیش

(۶۸) جہانتک ہوسکے۔ مسافروں کی خاطر اور مہمانوں کی مدارات کرنی چاہیئے

بزرگاں مسافر بجاں پرورند
کہ نام نکوئی بعالم برند

(۶۹) اپنے قدیم نمکخواروں کی خاطر کرنی چاہئے

قدیمان خود را بیفزائے قدر
کہ ہرگز نیاید ز پرورده غدر

(۷۰) بادشاہوں کو چاہئے کہ قیدیوں کے حالات بھی دریافت کرتے رہیں

نظر کن در احوال زندانیاں
کہ ممکن بود بے گنہ در میاں

(۷۱) حاکم کو چاہئے کہ دوست - دشمن میں تمیز کرے

نہ تدبیر محمود در رائے نکوست
کہ دشمن ندانند شہنشہ ز دوست

(۷۲) جو خود ہی مر رہا ہو اُسکو مارنا نہیں چاہئے - کیونکہ اپنے سے کمزور پر ہاتھ اُٹھانا نامردی میں داخل ہے

مہاز ور مندی مکن بر کہاں
کہ بر یک نمط مے نماند جہاں

(۷۳) جیسا کوئی کرے گا - ویسا بھریگا

ہمینت بسند است اگر بشنوی
اگر خار کاری سمن ندروی

(۷۴) نصیحت جو غرض سے خالی ہو - بعینہ کڑوی دوا ہے جس سے مرض دفع ہو جاتا ہے

نصیحت کہ خالی بود از غرض
چو داروئے تلخست دافع مرض

(۷۵) خوشامدی کبھی کسیکا دوست نہیں ہوتا

بنزد من آنکس نکو خواہ تست
کہ گوید فلاں خار در راہ تست

(۷۶) جب دیکھو کہ دشمن پر زور نہیں چلتا تو حکمت عملی سے کام نکالو ؎

چو نتواں عدو را بقوت شکست
بباید بہ نعمت در فتنہ بست

(۷۷) بیکسوں کی مدد کرنی چاہیئے ؎

رہ نیکمردان آزادہ گیر | چو استادۂ دست افتادہ گیر
جوانمرد اگر راست خواہی ولیست | کرم پیشۂ شاہ مرداں علیست

(۷۸) احسان سو عبادتوں سے بہتر ہے ؎

باحسانے آسودہ کردن دلے
بہ از الف رکعت بہر منزلے

(۷۹) اگر ہو سکے تو اُمیدواروں کی اُمید بر لانی چاہیئے ؎

برآوردن اُمید امیدوار
بہ از قید بندی گسستن ہزار

(۸۰) جب دیکھو کہ دشمن قابو میں آگیا ہے اور اُس سے بھلائی کی کبھی اُمید نہیں ہو سکتی تو فرصت کو غنیمت سمجھو اور ہمیشہ کے لئے اپنے آپکو اُس کے شر سے بچاؤ ؎

چو گرگ خبیث آمد اندر کمند
بکش ورنہ دل برکن از گوسفند

(۸۱) انسان دولت سے شریف نہیں ہو جاتا ؎

نہ منعم بمال از کسے بہتر ست | خر ار جل اطلس بپوشد خر ست
گر بے ہنر بمال کند کبر بر حکیم | کون خرش شمار اگر گاؤ عنبر است

(۸۲) ترش رو اور بدخو ہمیشہ نفرت کیا جاتا ہے ؎

چو سنداں کسے سخت روئی نہ کرد | کہ خایسک تادیب بر سر نخورد
تو شیریں زبانی ز سعدی بگیر | ترش روئے را گو بتلخی بمیر

(۸۳) کسی کی غیبت نہیں سُننی چاہئے ؎

بجہل ستایش فرا چہ مشو
چہ حاتم اصم باش و غیبت شنو

(۸۴) اپنے آپ کو ہر حالت میں ہیچ سمجھنا چاہئے ؎

رہ انیست سعدی کہ مردان راہ — بعزت نگردند در خود نگاہ۔
ازیں بر ملایک شرف داشتند — کہ خود را بہ از سگ نپنداشتند

(۸۵) انسان کو چاہئے کہ آپ کسی طرح سے خائن نہ ہو۔ اگر اُس میں کسی قسم کا نقص نہوگا۔ تو دشمن کی کیا مجال کہ نقص پکڑ سکے ؎

تو نیکو روش باش تا بد سگال
نیابد بہ نقص تو گفتن مجال۔

(۸۶) "ہمچو من دیگرے نیست" کہنے والے کو لوگ ہمیشہ سفلہ سمجھتے ہیں ؎

بچشم کساں در نیاید کسے
کہ از خود بزرگی نماید بسے

(۸۷) تن پروری نہیں کرنی چاہئے ؎

مپرور اگر مرد راے و ہُشی
کہ او را چو مے پروری مے کشی

(۸۸) بار بار کھانے کی عادت نہیں ڈالنی چاہئے ؎

تنور شکم دمبدم تافتن
مُصیبت بود روز نا یافتن

(۸۹) قرضہ لیکر شوق پُورا کرنا بہت بُرا ہے ؎

حلاوت ندارد شکر و نیش — چو باشد تقاضائے تلخ از پیش

الضیاً

بہ تمنائے گوشت مُردن بہ — ز تقاضائے زشت قصاباں

(۹۰) جو دوسروں کے مال پر دندان آز دراز کرتا ہے وہ ہمیشہ ذلیل و خوار ہوتا ہے ؎

چہ دلتنگ خفت آں فرومایہ دوش
کہ بر سفرہ دیگراں داشت گوش

(۹۱) اپنی نسبت خود بینی اور دوسروں کی نسبت بد بینی کرنا بڑا عیب ہے ؎

مرا پیر دانائے مرشد شہاب دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ بر خویش خود بیں مباش دگر آنکہ بر غیر بد بیں مباش

(۹۲) روپیہ ہاتھ کا میل ہے۔ کبھی آتا ہے۔ کبھی جاتا ہے۔ انسان کو چاہئے کہ اپنی خصلت پسندیدہ رکھے ؎

پسندیدہ و نغز باید خصال
کہ گاہ آید و گہ رود جاہ و مال

(۹۳) اپنے دل کا راز کسیکو نہیں بتانا چاہئے ؎

تو پیدا مکن راز دل بر کسے کہ او خود بگوید بر ہر کسے
جواہر بگنجینہ داراں سپار ولے راز را خویشتن پاس دار

(۹۴) دوستوں میں لڑائی نہیں ڈلوانی چاہئے ؎

میان دو کس آتش افروختن نہ عقلست خود درمیاں سوختن

(۹۵) اُستاد کی سختی باعث فلاح آئندہ ہے ؎

ہر آں طفل کو جور آموزگار
نہ بیند جفا بیند از روزگار

(۹۶) تنگی اور عُسرت کی شکایت نہیں کرنی چاہئے اور اپنے سے اچھوں کو حسد کی نگاہ سے نہیں دیکھنا چاہئے ؎

مکُن نالہ از بینوائی بسے
چو بینی ز خود بینوا تر کسے

(۹۷) انسان کو سینگ کٹا کے بچھڑوں میں نہیں ملنا چاہئے ؎

مرا برف باریدہ بر پر زاغ
نشاید چو بلبل تماشائے باغ

(۹۸) اے جوانو عالم جوانی غنیمت سمجھو ۔

جوانان رہِ طاعت امروز گیر
کہ فردا نیاید جوانی ز پیر

(۹۹) حقوق والدین کو کبھی نہیں فراموش کرنا چاہئے ۔

اے طفل کہ دفع مگس از خود نتوانی — ہر چند کہ بالغ شدی آخر نہ ہمانی
شکرانۂ زور آوری روز جوانی — آنست کہ قدر پدر پیر بدانی

(۱۰۰) ناخلف اولاد والدین کے لئے بڑی سخت معیبت ہے ۔

زنانِ باردار اے مرد ہشیار — اگر وقت ولادت مار زایند
ازاں بہتر بنزدیک خردمند — کہ فرزندان ناہموار زایند

ایضاً

دانی چہ گفتہ اند بنی عوف در عرب — سنبل بریدہ بہ کہ موالید بے ادب

آٹھواں باب
شیخ اور دیگر شعرا

اس باب میں ہم شیخ کے ساتھ فارسی زبان کے دیگر مشاہیر شعرا کا مختصر طور پر مقابلہ کرتے ہیں۔ تاکہ معلوم ہو کہ شاعری اور تصنیف کے لحاظ سے شیخ کا رتبہ کیا تھا +

مُلّا نور الدین عبد الرحمٰن جامی۔ ایک مشہور شاعر ہوا ہے۔ یہ شخص مولانا محمد یا احمد اصفہانی کا خلف الرشید تھا اور ۸۱۴؁ھ میں پیدا ہوا اسکی پیدایش ہرات کے ایک گانو میں جسکا نام جام ہے واقع ہوئی تھی اور اس لحاظ

سے اس نے جامی تخلص کیا تھا۔ جامی اول درجہ کا خوشمزاج۔ شائستہ اور حلیم الطبع شخص تھا۔ کہتے ہیں کہ زباندانی میں تمام ایران میں بے نظیر تھا۔ سلطان ابوسعید مرزا والئے ہرات سے اسکی بڑی دوستی تھی۔ اور اسکے بعد سلطان حسین مرزا بھی اسکی بہت قدر و منزلت کرتا تھا۔ جامی دولت شاہ مؤرخ کا ہمعصر ہوا ہے یوسف زلیخا اور نفحات الانس اسکی سب سے زیادہ مشہور تصانیف ہیں آخرالذکر کتاب میں صوفی مشائخ کی زندگی کا حال ہے اور غالباً طبقات الصوفیہ کا ترجمہ ہے۔ اسکی تصنیفات مفصلہ ذیل ہیں:-

سلسلۃ التہذیب + تحفۃ الاحرار + لیلی مجنوں + خرد نامہ + سکندر نامہ + بہارستان + فتح الحرمین + خورشید و ماہ +

یہ باکمال ۱۴۹۲ء میں اکاسی ۸۱ برس کی عمر میں فوت ہوا۔ اسکی تصنیف کو مسٹر ایڈیگر فعتس بر لڈ نے مرتب کیا ہے۔ جب یہ فوت ہوا تو حاکم وقت کے حکم سے جملہ سردار اور اعیان سلطنت جنازہ کے ساتھ تھے جو بڑے تزک و احتشام سے اٹھایا گیا تھا +

جامی نے ایک کتاب گلستان کے جواب میں لکھی جسکا نام بہارستان ہے اگرچہ کچھ شک نہیں کہ بہارستان ایک ایسے شخص کی زبان ہے جسکی زباندانی کی تمام ایران نے داد دی ہے۔ مگر گلستاں کے مقابلہ میں اسکی نسبت ہمیں یہ فقرہ کہنا پڑتا ہے کہ "قطرہ کو دریا سے کچھ نسبت نہیں ہے" گلستان ایک دریائے ذخار ہے اور بہارستان اُسکے مقابلہ میں ایک قطرہ ہے۔ ہم نمونہ کے طور پر چند فقرے دونوں کتابوں کے ذیل میں درج کرتے ہیں:-

گلستان کا پہلا فقرہ ہے "منت مر خدائے را عزوجل کہ طاعتش موجب قربت است و بشکر اندرش مزید نعمت۔ ہر نفسیکہ فرو میرود ممد حیات و دمیکہ بر مے آید مفرح ذات" +

بہارستان اس طرح پر شروع ہوتی ہے "ہزاران داستان حمد و ثنا از

زبان مرغان بہارستان عشق و وفا کہ از منابر اغصان فضل و احسان بحسن اصوات وطیب الحان علی الدوام خوانند" +

اب اہل نظر دیکھ سکتے ہیں کہ دونوں کلاموں میں زمین و آسمان کا فرق ہے جامی کی عبارت ایسی ہے کہ معمولی لیاقت کا انسان ڈکشنری کی مدد بغیر نہیں سمجھ سکتا اور علاوہ اسکے مطلب کے نفاست اور قانون قدرت کی پابندی ظاہر ہے +

گلستاں میں لکھا ہے کہ "سکندر را پرسیدند کہ دیار مشرق و مغرب را بچہ گرفتی" +

بہارستان میں لکھا ہے کہ "اسکندر را گفتند بچہ سبب یافتی - آنچہ یافتی از دولت و سلطنت" +

قطع نظر اوڑ بانوں کے "گفتند" اور "پرسیدند" ہی سے تمام قلعی کھل جاتی ہے +

گلستاں میں لکھا ہے ؎

خامشی بہ کہ ضمیر دل خویش	باکسے گفتن وگفتن کہ مگو
اے سلیم آب ز سر چشمہ ببند	کہ چو پر شد نتواں بستن جو

حضرت جامی فرماتے ہیں ؎

اے پسر سر کسان مردم نہفتن لازم است
بہ کہ از افشائے آں با دوستے کم دم زنی
دیدہ ام بسیار کز سیر سپہر کج نہاد
دوستاں دشمن شوند و دوستیہا دشمنی

شیخ صاحب فرماتے ہیں :- "مشورت با زناں تباہ ہست و سخاوت بامفسداں گناہ" +

ملا جامی صاحب لکھتے ہیں :- زناں را چوں مرداں محل اعتماد مگرد - آں زیرا کہ اگرچہ زن از قبیلہ معتمدان آید از اں قبیل نیست کہ معتمد را شائد" +

اس "زیرا کہ اگرچہ" نے تمام فقرہ کا خون کر دیا ہے +

گلستاں کو بہارستان پر اس وجہ سے فضیلت ہے کہ :-

اول :- گلستاں کا ہر ایک فقرہ ایسا برجستہ۔ چست اور موزوں ہے کہ گویا سانچہ میں ڈھلا ہوا ہے اور بہارستان میں یہ بات نہیں ہے +

دوم :- گلستاں میں شیخ نے لفظوں کے موتی عبارت کی لڑی میں اس خوش اسلوبی کے ساتھ پروئے ہیں کہ اگر لفظ ادہر ادھر ہو جاوے تو تمام مضمون زیر زبر ہو جاتا ہے۔ بہارستان میں یہ خوبی نہیں ہے +

سوم :- گلستان میں جو مضمون دو لفظوں میں ادا ہوتا ہے وہ بہارستان میں ایک سطر میں نہیں ہو سکا +

چہارم :- گلستان میں زیادہ تر ایسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو روزمرہ کی بول چال میں آتے ہیں۔ اور بہارستان کے اکثر الفاظ ثقیل اور کرخت ہیں +

پنجم :- گلستان کو دیکھ کر بادی النظر میں معلوم ہو جاتا ہے کہ گلستاں آمد کا نتیجہ ہے اور بہارستان آورد کا ظہور ہے +

بہارستان کے علاوہ دو اور کتابیں خارستان اور پریشان گلستاں کی طرز پر لکھی گئی ہیں۔ انھیں سے خارستان محمد الدین خوانی کی (جو خوف خراسان کا رہنے والا تھا) تصنیف سے کہتے ہیں۔ خارستان اکبر کے حکم سے لکھی گئی تھی + دوسری پریشان یہ مرزا حبیب المتخلص بہ قاآنی کی تصنیف ہے۔ جو مرزا ابو الحسن گلشن کا صاحبزادہ تھا۔ اسکی وفات کو تھوڑا عرصہ گذرا ہے۔ اہل ایران اسے خاتم الشعراء سمجھتے ہیں۔ قاآنی کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ ابھی بچہ ہی تھا کہ اُسکے والدین فوت ہو گئے اور سات برس کی عمر میں خراسان کے کالج میں داخل ہو گیا۔ کالج کے زمانے میں قاآنی نے شعر کہنا شروع کیا اور اُسکی شہرت رفتہ رفتہ چاروں طرف پھیل گئی۔ اسکا بڑا مربی شاہزادہ شجاع السلطنت حسن مرزا تھا جس نے اُسکو اپنے مصاحبوں میں داخل کر لیا۔ اور انہیں کی مہربانی سے وہ جملہ شعرا سے منتخب کیا گیا کہ وہ بادشاہ کی سالگرہ پر قصیدہ سنایا کرے بادشاہ نے اُسے خلعت اور جاگیر

عطا کی تھی فتح علی اور محمد شاہ نے اُسے مجتہد الشعرا اور حسان العجم کا خطاب عطا کیا تھا
قاآنی ایک بڑا طومار نویس مُصنف ہوا ہے۔ مگر اسکی پریشان کو وہ رتبہ حاصل نہیں ہوا جو گلستاں کی قسمت میں ہے + ایک اہل الراے لکھتا ہے کہ قاآنی کو نہ تو گلستان جیسے عالی مضامین سوجھے ہیں اور نہ اُس نے ویسی عُمدہ اور شستہ عبارت استعمال کی ہے۔ قاآنی نے ہر چند سعدی پر جو مشرق کا اڈیسن ہے سبقت لیجانے کی کوشش کی تھی۔ مگر اُسکا پانوٗ پہلی ہی سیڑھی پر رہا اور اُس کے آگے وہ نہ جا سکا +

قاآنی۔ لاطینی۔ فرانسیسی و دیگر السنہ یوروپ سے بھی واقف تھا اور اُس نے اپنی کلام میں اُن کی بھی چاشنی دی ہے۔ قاآنی کا انجام بخیر ہنوا۔ یہ عالم شباب میں شراب خانہ خراب کا شکار رہوا۔ اسکی موت ۱۲۷۰ھ میں واقع ہوئی گلستان کی فوقیت کو قاآنی نے پریشان کے دیباچہ میں خود تسلیم کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ ایک نہایت عزیز دوست نے اصرار کیا کہ گلستان کی طرز پر نظم و نثر میں ایک کتاب تحریر کرنی چاہئے۔ میں نے کہا بھائی توبہ کر۔ میں کیا اور میری بساط کیا کہ گلستاں کا جواب لکھوں مسیلم نے نبوت کا دعوے کر کے کذاب کا خطاب پایا تھا۔ میں نے مانا کہ جگنو رات کو چمکتا ہے۔ لیکن وہ چاند کی برابری نہیں کر سکتا آخر جب اُس نے نہ مانا اور میرے انکار سے اُسکا اصرار بڑھتا گیا۔ تو مجبوراً کچھ نظم و نثر اور جد و ہزل ترتیب دیگئی اور یہ سمجھا گیا کہ اگرچہ چڑیا پرواز میں شہباز کی برابری نہیں کر سکتی لیکن اُسکو چار و ناچار اُڑنا ہی پڑتا ہے +

خارستان کا تو یہ حال ہے کہ وہ پریشان اور بہارستان سے بھی بدرجہا گری ہوئی ہے۔ مجد الدین نے اگرچہ بہت زور مارا ہے مگر اُسکی تحریر اہل زبان کی روش سے بیگانہ معلوم ہوتی ہے۔ غرض خارستان اور پریشان کو گلستان سے وہی نسبت ہے جو خاک کو عالم پاک سے +

قاآنی کی غزلیات بھی شیخ کی غزلیات کو نہیں پہنچیں مُصنف نگارستان

کہتا ہے کہ قاآنی کی غزلیات اول درجہ کی نہیں ہیں اور قصیدہ کی طرز پر لکھی گئی ہیں اور قاآنی کے قصائد بھی خاقانی کے قصائد سے رتبہ میں کم ہیں ؛

ہماری رائے میں اصول قصیدہ کے لحاظ سے قاآنی کے قصائد شیخ کے قصائد سے بہتر ہیں۔ اگرچہ بحالت مجموعی قاآنی کو شیخ کے رتبہ سے کچھ نسبت نہیں مثلاً قاآنی کہتا ہے ؎

باد نوروزی شمیم عطر جاں مے آورد
درچمن از مشک چیں صد کارواں مے آورد
رستم عید از برائے خشم طاؤس بہار
نوشدارو از دل دیو خزاں مے آورد
با منوچہر صبا زی آفریدون ربیع۔
فتح نامۂ سلم وے از خاوراں مے آورد
بہر دفع بیوراست دے گلستاں کاوہ را
از گل صوری درخش کاویاں مے آورد
رستم آوردی بہشتی مژدہ نزد طوس عید
از ہلاک اشکبوس مہرگاں مے آورد
بہزاد ویو فرامرز خریف اینک سپہر
از کمان بہمنے تیر و کماں مے آورد
یا پیام کشتن ارائے دے را باد صبح
دربر اسکندر صاحبقراں مے آورد
باشماساس خزاں افارن اردی بہشت
دستگیر از نیزۂ آتش فشاں مے آورد
یا نوید قتل کرم ہفتواد وے نسیم
درچمن چوں اردشیر بابکاں مے آورد

یا گردے فضل وے را بر فراز تل خاک
گیو فرود دیں بخواری مو کشاں مے آورد

ہم قاآنی کے ایک اور قصیدہ کے چند اشعار بطور نمونہ درج کرتے ہیں جنسے
ناظرین اسکی جودت طبع کا اندازہ کر سکینگے ~

"رسید چہ خبر فتح کے رسید سحر
کجا نبرد ملک از چہ ملک خاور"
"خبر چہ بود شکست عدو کہ گفت بشیر
عدو شکست چساں خورد وگشت زیروزبر"
"مصافگاہ کجا بود ساحت بسطام
کہ بہ شکست عدو راسمے ین آذر"

امیر خسرو ایک بڑا مشہور شاعر اور نثار ہوا ہے۔ خسرو۔ امیر محمود سیف الدین
کا لڑکا تھا جو قوم لاجین کا ترک تھا۔ امیر محمود بلخ سے ہندوستان میں آیا
اور پٹیالہ میں مقیم ہوا۔ پٹیالہ میں امیر خسرو کی ولادت ۱۳۲۵ء میں ہوئی
سرایسٹ کا قول ہے کہ خسرو ایسے زمانے میں ہوا ہے جب ہندوستان میں
اخلاق کا خون ہو رہا تھا۔ امیر خسرو کی نسبت مشہور ہے کہ اُس نے ننانوے
کتابیں نظم میں تصنیف کی ہیں۔ اسکی مشہور تصنیفات مفصلہ ذیل ہیں:۔
ہشت بہشت۔ لیلی مجنوں۔ سکندر نامہ۔ پنج گنج۔ شیریں خسرو۔ اعجاز خسروی
خضر نامہ۔ انشائے امیر خسرو۔ نہ سپہر۔ قران السعدین۔ مطلع الانوار وغیرہ +
قران السعدین خسرو نے بغرا خان اور کیقباد کی ملاقات کی یادگار میں لکھی ہے +
جامی لکھتا ہے امیر خسرو نے ہر میدان میں قدم مارا ہے۔ قصیدے کے۔
غزلیات کا دیوان لکھا مثنویاں لکھیں اور تمام کو کمال کے درجہ تک پہنچایا۔
قصیدہ میں خسرو نے خاقانی کا تتبع کیا ہے۔ مگر ناکامیاب رہا ہے۔ البتہ غزل
میں اُس سے سبقت لیگیا ہے۔ امیر خسرو کی غزلیات ارباب عشق و محبت میں بہت

مقبول ہیں +
شیخ آذری نے کتاب جواہر الاسرار میں لکھا ہے کہ شیخ سعدی امیر خسرو کے دیکھنے کو شیراز سے ہندوستان میں آیا۔ اگرچہ یہ بات نہایت مشکوک ہے مگر اسمیں کچھ کلام نہیں کہ سلطان غیاث الدین بلبن کے بیٹے قاآن محمد سلطان ناظم ملتان نے جسکو خان شہید کہتے ہیں شیخ سے کئی بار التجا کی کہ آپ شیراز سے یہاں تشریف لائیے۔ اور چونکہ امیر خسرو بھی اُن دنوں رکن دربار تھا۔ اسکا کلام بھی شیخ کے ملاحظہ کے لئے بھیجا۔ شیخ کا اسوقت عالم ضعیفی تھا۔ اس لئے نہ آیا اور امیر خسرو کی نسبت لکھا کہ اس جوہر قابل کی تربیت اور قدر افزائی کرنی چاہیئے +
کہتے ہیں کہ امیر خسرو نے بھی ایک کتاب گلستان کے جواب میں لکھی اور اپنے مرشد حضرت نظام الدین اولیا کی خدمت میں لے گئے۔ اُنھوں نے کہا اسے کل لانا۔ آج لیجاؤ اور یہ میری چادر اوڑھ کر سو رہنا۔ امیر خسرو نے ایسا ہی کیا۔ کہتے ہیں کہ اُس وقت خواب میں اُنھوں نے ایک دربار دیکھا جسکے صدر نشین حضرت سرور کائنات تھے اور ایک شخص روبرو کھڑا ہوا ایک کتاب میں سے کچھ پڑھ رہا تھا۔ امیر خسرو نے جب غور سے سُنا تو معلوم ہوا کہ وہ کہہ رہا تھا:- "بلغ العلے ..... الخ" پھر امیر خسرو نے دیکھا کہ اُن کے مرشد ایک کونے میں دو دست بستہ مودب کھڑے ہیں۔ علی الصباح امیر خسرو خدمت مرشد میں حاضر ہوئے اور رات کا ماجرا مو بمو عرض کیا۔ حضرت نے فرمایا میاں تمہاری کتاب اُس صاحب کمال کی تصنیف کے آگے کبھی مقبول نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ امیر خسرو نے اُسیوقت کتاب جاکر جمنا میں دریا برد کر دی چاہے یہ روایت الیشیائی زٹل ہی ہو۔ مگر اس سے کم از کم یہ نتیجہ تو نکلتا ہے کہ جو عظمت اور عقیدت شیخ کی تھی۔ اُس سے امیر خسرو کو کچھ نسبت نہ تھی +
اس میں کچھ شک نہیں کہ جو شہرت گلستان بوستان کی بدولت شیخ کو نصیب ہوئی اُس کا عشر عشیر بھی خسرو کو نہیں ملا۔ مگر چشم انصاف سے

دیکھ کر یہ کہنا ہی پڑتا ہے کہ امیر خسرو کی بعض غزلیات شیخ کی غزلیات سے بڑھی ہوئی ہیں۔ ہم نمونہ کے طور پر دو غزلیں امیر خسرو کی درج کرتے ہیں:۔

غزل

اے چہرۂ زیبائے تو رشکِ بتانِ آذری
ہر چند وصفت میکنم در حسن زاں بالاتری

ہرگز نیاید در نظر نقشے ز رویت خوبتر
شمسی ندانم یا قمر حوری ندانم یا پری

آفاق ہا گردیدہ ام مہرِ بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام اما تو چیزے دیگری

عالم ہمہ یغمائے تو خلق خدا شیدائے تو
ایں نرگسِ شہلائے تو آوردہ رسمِ کافری

اے راحت و آرامِ جاں باقامتِ سرو رواں
زینساں مرو دامن کشاں کآرم جانم میبری

عزم تماشا کردۂ آہنگ صحرا کردۂ
جان و دل ما بردۂ اینست رسم دلبری

خسرو غریب است و گدا افتادہ در شہر شما
باشد کہ از بہر خدا سوئے غریباں بنگری

غزل

یارب آں بالائے گلزار آب حیواں ریختند
یا مگر جان کساں بگداختند آں ریختند

شیرۂ جانہائے شیریں بر لب دیدارزیاں
دیں تن شیریں ازاں شیرینئے جاں ریختند

ہر کجا خوئے رنجبت از رویت ملاحت پارا

چاشنی گیران نعمت بر نمکداں ریختند
عیش تلخم با خیال لعل جاں افزا خوش است
شربت تلخے کہ در روے آب حیواں ریختند
شعلۂ ے خیزد زگور کشتگاں برجائے نور
بسکہ زیر خاک با دلہائے سوزاں ریختند
ہمچو چشم نامسلمانِ تو بے رحمت نیند
کافرانِ چیں کہ خوں ہائے مسلماں ریختند
از گناہِ نیکواں یارب مرا سوزاں بخست
گرچہ آں مردم کشاں خمہاء فراواں ریختند
عاقبت بر روے آب در دراز بیدلاں
گرچہ گریہ در شب تاریک پنہاں ریختند
خسروا انگہی کہ جز خاشاک بدنامی نرست
دیدہ ہائے عاشقاں ہر جا کہ باراں ریختند

رابرٹ بنیگ صاحب اپنے سفرنامہ ایران وشیلون جلد اول میں لکھتے ہیں کہ لوگ جسقدر حافظ کی عزت وحرمت کرتے ہیں اُس قدر سعدی کی نہیں کرتے حافظ کا مذہب شیعہ تھا اور سعدی کے عقیدہ کی نسبت شک ہی اگرچہ اسکی تصنیف سے کہیں کہیں یہ مترشح ہوتا ہے کہ وہ سُنت جماعت تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ سعدی کی تحریر اپنی طرز میں لاجواب ہے اور اگرچہ سعدی کا رُتبہ غزل میں حافظ سے کم ہے مگر اُس نے دفتر کے دفتر سیاہ کردیئے ہیں اور وہ جامع نظم ونثر ہے۔ ہزاروں مُصنفوں اور علماء نے اسکے طرز تحریر کا تتبع کرنا چاہا ہے مگر عاجز رہے ہیں +

پیشتر اسکے کہ ہم بنیگ صاحب کی رائے پر بحث کریں۔ ہم خواجہ حافظ کا مختصر حال درج کرنا چاہتے ہیں +

خواجہ شمس الدین حافظ کا حال ہمیں بہت تھوڑا معلوم ہے - خواجہ حافظ چودھویں صدی کے شروع میں پیدا ہوا اور ۱۳۸۹ء میں فوت ہوا - اسکا کلام سب سے پہلے سید قاسم انوار نے جمع کیا تھا - صوفی اسکے کلام کو بہت پسند کرتے ہیں - اسکے کلام کو سر ولیم جونس بنٹر ناٹ - رچرڈسن اور کارلائل نے ترجمہ کیا ہے - اسمیں کچھ شک نہیں کہ حافظ کا دیوان بہت مشہور ہے - بلکہ اکثر لوگ قرآن کیطرح اسمیں سے فالیں نکالتے ہیں - فال نکالنے کا طریقہ بھی عجیب ہے - کئی تو حافظ کو شاخ نبات کی قسم دیکر فال نکالتے ہیں اور کئی مفصلہ ذیل الفاظ دیوان کھولنے سے پہلے کہتے ہیں

اے حافظ شیرازی

تو کاشف ہر رازی

یک وصف الحالی مناسب بر احوال ما بگو

روحت شاد باد

اہل ایران کا اس بات پر بڑا اعتقاد ہے - وہ کہتے ہیں کہ بارہا ایسا ہوا ہے کہ حافظ کی روح نے دیوان میں حلول کرکے سب حال راست راست کہدیا ہے - چنانچہ کہتے ہیں کہ جب نادر شاہ ہند پر فوجکشی کرنے لگا تو اپنے تمام افسروں کو حافظ کی مزار پر لے گیا اور دیوان میں سے فال نکالنے کا حکمدیا - کتاب کو کھولا تو پہلے اشعار جو نکلے وہ مفصلہ ذیل تھے :-

عزم کہ از ہمگیں دلیراں ستانی باج

چرا کہ بر سر خوباں عالمے چوں تاج

دو چشم مست تو برہم زدہ خطا و ختن

بچین زلف تو ماچین ہند دادہ خراج

مگر بعض یہ کہتے ہیں کہ نادر شاہ نے پہلے سے انتظام کر رکھا تھا کہ یہی اشعار نکلیں اور فوج کا دل بڑھ جاوے +

کہتے ہیں کہ حافظ کی وفات پر چند متعصب مسلمانوں نے اسکا جنازہ اٹھانیسے

انکار کر دیا اس پر تنازعہ ہو پڑا اور حافظ کے معتقدین نے کہا بہتر ہے فال نکالو۔
اور موافق فال کے عمل کرد۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور پہلا شعر جو نکلا وہ یہ تھا ؎

قدم دریغ مدار از جنازۂ حافظ
اگرچہ غرق گناہست میرود بہ بہشت

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص آغا ہاشم جو مشہور درویش تھا فوت ہوگیا اُسکے
دوستوں نے چاہا کہ اُسکو حافظ کے مقبرہ میں دفن کریں۔ مگر مقبرہ کے سجادہ نشین
نے اجازت دینے سے انکار کیا۔ آخر سب کی یہ رائے ٹھیری کہ بذریعہ فال دیوان
میں سے حال دریافت کیا جائے چنانچہ جب دیوان کھولا تو مفصلہ ذیل شعر نکلا ؎

رواق منظر چشم من آشیانۂ تست
کرم نما و فرود آ کہ خانہ خانۂ تست

ایک دفعہ ایک حبشی خواجہ سرا سے تربت حافظ پر آیا اور دیوان منگا کر فال
دیکھی۔ پہلا مصرع جو نکلا وہ یہ تھا:۔

تو سیاہ کم بہا بیں کہ چہ در دماغ دارد

نورجہاں کا قصہ مشہور ہی ہے کہ جب اُسکا ہار چوری گیا وہ دیوان حافظ میں فال
دیکھنے بیٹھی۔ رات کا وقت تھا۔ جو لونڈی اُس وقت شمع ہاتھ میں لئے دکھا
رہی تھی۔ وہی چور تھی۔ فال میں یہ مصرع نکلا تھا:۔

× × × × × × ×

چہ دلاور است دزدیکہ بکف چراغ دارد

اگرچہ راقم کو فال پر ذرہ بھر بھی اعتقاد نہیں ہے مگر ہندوستان میں سینکڑوں
اور ایران میں ہزاروں ایسے موجود ہیں جو لکھے پڑھے ہو کر اس بات کے معتقد ہیں
اس میں کچھ کلام نہیں کہ ایران میں حافظ کو بھی لوگ ولی سمجھتے ہیں۔ ہزاروں
اُسکی مزار پر زائرین جاتے ہیں۔ مگر حافظ کو بحالت مجموعی شیخ علیہ الرحمتہ
سے کچھ بھی نسبت نہیں۔ شیخ ہر میدان میں برق و باد ہو کر کڑکا ہے اور

حافظ کی بساط میں صرف پندرہ سولہ سو اشعار کا اثاثہ ہے یعنے حافظ تمام عمر غزل کی چار دیواری ہی میں بند رہا ہے +

ڈاکٹر رابرٹ بننگ صاحب سے ہمیں صرف اس قدر اتفاق ہے کہ حافظ کی غزلیات شیخ کی غزلیات سے زیادہ چبھتی ہوئی اور پھڑکتی ہوئی ہیں + مولنا جامی کہتے ہیں کہ کوئی کوئی شعر تو حافظ کا سرحد اعجاز کے قریب پہنچگیا ہے۔ بعض شخص بیان کرتے ہیں کہ سعدی نے حافظ کو بد دعا دی تھی کہ جو شخص تیرا کلام پڑھیگا وہ دیوانہ اور لاالعقل ہو جاویگا۔ ہماری راے میں یہ بات سراسر مبالغہ ہے حافظ اور سعدی ہمعصر نہیں ہوئے +

حافظ کی غزلیات شیخ کی غزلیات سے بیشک زیادہ باآب وتاب ہیں۔ مگر اس طرز کا موجد شیخ ہی ہے۔ حافظ نے شیخ کی طرز کے ساتھ وہ برتاؤ کیا تھا جو جرات نے میر تقی کی طرز کے ساتھ کیا۔ یعنے حافظ نے سعدی کی فصاحت اور سادگی پر شوخی اور بانکپن کا انداز ایسا بڑھایا کہ جس سے عوام النّاس میں اسکو پسند عام کا خلعت ملگیا۔ حافظ کی غزلیات کی خصوصیت یہ ہے کہ فصاحت اور محاورہ کی جان ہیں اور حسن وعشق کے معاملات سے معمور ہیں اگرچہ حافظ کے پیرو باریک بینی کی عینک لگا کر اُن کو تصوّف اور عشق حقیقی کیطرف کھینچتے ہیں۔ اسی طرح شیخ نے بھی ایک دفعہ مولنا محمد شیریں المعروف مولنا مغربی کے روبرو چشم اور ابرو کی توضیح کرکے کہا تھا کہ چشم اور عین مرادف لفظ ہیں پس عین سے ذات الٰہی مراد ہے اور ابرو حاجب کا مرادف ہے۔ پس حاجب سے صفات الٰہی جو کہ حاجب ذات ہیں مراد ہے +

اب ہم چند غزلیات حافظ کی بطور نمونہ درج کرتے ہیں:۔

غزل

رفتم بباغ تا کہ بچینم سحر گلے　　آمد بگوش ناگہم آواز بلبلے

مسکیں چو من بعشق گلے گشتہ مبتلا | واندر چمن فگندہ لفیر باد علغلے
میگشتم اندراں چمن و باغ دمبدم | میکردم اندراں گل و بلبل تاملے
چوں کرد در دلم اثر آواز عندلیب | گشتم چنانکہ ہیچ نماند تحملے
بس گل شگفتہ میشود ایں باغ را ولے | کس بے جفائے خار نچیدہ است از وگلے
گل یار خار گشتہ و بلبل قرین عشق | آنرا تغیرے نہ وایں را تبدلے
حافظ مدار امید فرح از مدار چرخ | دارد ہزار عیب و ندارد تفضلے

اس طرز میں سعدی کی بھی غزل ملاحظہ ہو:-

ہر روز بادمے برد از بوستاں گلے | مجروح میکند دل مسکین بلبلے
روئیست ماہ پیکر و موئیست مشکبوے | ہر لالۂ کہ میدمد از خاک و سنبلے
بالائے خاک ہیچ عمارت نکردہ اند | کز وے بدیر و زود نباشد تحولے
مکروہ طلعتے ست جہان فریب ناک | ہر بامداد کردہ بشوخی تجملے
وے بوستان خرم و صحرا و لالہ زار | وز بانگ مرغ در چمن افتادہ علغلے
وام وز خار ہائے مغیلاں کشیدہ تیغ | گوئی کہ خود نبود دریں بوستاں گلے
دنیا یکیست رہگذر دار آخرت | اہل تمیز خانہ نگیرند بر پلے

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل مارا
بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را
بدہ ساقی مے باقی کہ در جنت نخواہی یافت
کنار آب رکناباد و گلگشت مصلے را
فغاں کیں لولیان شوخ شیریں کام و شہر آشوب
چناں بردند صبر از دل کہ ترکاں خوان یغما را
ز عشق ناتمام ما جمال یار مستغنی ست۔
بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را
حدیث از مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو

کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت این معما را

من از آں حسن روز افزوں کہ یوسف داشت دانستم

کہ عشق از پردۂ عصمت بروں آرد زلیخا را

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند

جوانانِ سعادتمند پندِ پیرِ دانا را

بدم گفتی و خورسندم عفاک اللہ نکو گفتی

جوابِ تلخ مے زیبد لبِ لعلِ شکر خا را

غزل گفتی و در سُفتی بیا و خوش بخواں حافظ

کہ بر نظم تو افشاند فلک عقدِ ثریا را

چیمبرز انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے کہ سعدی کی لطافت کلام اور بذلہ سنجی روما کے مشہور شاعر ہوریس کے انداز کلام سے بہت ملتی ہے۔ انگلستان کے بعض مصنف اسکو مشرقی شکسپیر لکھتے ہیں یہ بات مسلم الثبوت ہے کہ اہل انگلستان شکسپیر کو تمام دنیا کے شعرا سے بہتر سمجھتے ہیں اس لحاظ سے انکا شیخ کو شکسپیر کو تشبیہ دینا صاف ظاہر کرتا ہے کہ کیا کچھ وقعت شیخ کی انکی نظروں میں ہے +

شیخ اور شکسپیر کے کلام میں اسقدر مماثلت ہے کہ جسطرح شیخ کی گلستاں کے صدہا فقرے اور شعر ضرب المثل ہوگئے ہیں اسیطرح شکسپیر کا بھی کلام دائر و سائر ہے + ہماری رائے میں شیخ کو شکسپیر پر بھی فوقیت ہے کیونکہ (۱) جو شہرت شکسپیر نے ناٹک کے ذریعہ جس سے انسان کو طبعی اُنس ہے حاصل کی اُس سے کہیں زیادہ شیخ نے خشک اور سادہ پند و نصایح سے حاصل کرلی (۲) شکسپیر صرف شاعر تھا اور سعدی نظم و نثر دونو میں مسلم الثبوت اُستاد تھا ایسے مصنف بہت کم ہیں جو نثر اور نظم دونوں میں جامع ہیں شیخ کی شاعری شکسپیر اور ملٹن کو شرماتی ہے شیخ کی نثر اڈیسن کی آبرو پر اوس برساتی ہے اور اسکی ظرافت چارلس لیمب کی ظرافت کو خون رلاتی ہے +

تمام شد

جسکے صدہا اقوال انگریزی میں ضرب المثل ہوگئے ہیں جسطرح سعدی کے کلام کا چرچا ہے اسیطرح شکسپیر